اساساتِ قومیتِ ملتِ اسلامیہ ہند

یعنی

برِاعظم ہند میں قومیتِ اسلام کے اصولِ حیات و داعیہ استقلال

اور

اس کے ماضی، حال و مستقبل پر ایک مومنانہ نظر

خطبۂ صدارت

جناب راغب احسن صاحب ایم اے جنرل سکریٹری کلکتہ ضلع مسلم لیگ

(سابق سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ)

دربھنگہ ضلع مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی کانفرنس

منعقدہ

[illegible] ۱۶ اور ۱۷ اگست سنہ ۱۹۴۰ء میں پیش کیا گیا

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم
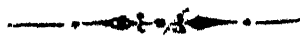
جناب سید محمد فرید صاحب، بزرگانِ قوم، برادرانِ ملت و جوانانِ اسلام ... السلام علیکم

آپ بھائیوں نے مجھے اس اسلامی پلاٹ فارم سے خطاب کرنے کیلئے منتخب کیا ہے جس سے میں اس وقت بول رہا ہوں۔ اس اعزاز کا صمیم قلب سے شکریہ بجا لاتا ہوں۔ آپ نے دربھنگہ ضلع مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی اس کانفرنس کی صدارت کے لئے جس شخص کو منتخب فرمایا ہے وہ نہ عالم ہے، اور نہ "لیڈر"، نہ خطیب ہے نہ شاعر، نہ امیر ہے نہ رئیس، بلکہ ملت کا ایک ادنیٰ ترین خادم۔ دعا فرمایئے کہ اللہ مجھے اس مُوقف کے فرائض کو پوری طرح ادا کرنے کی توفیق بخشے۔ اور میرے مُنھ سے وہ کچھ کہلائے جو عین اُس کی رضا ہو، جو عین اس کے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہو۔ جو عین اُمتِ محمدی کے وقت کا تقاضائے صحیح ہو، اور جو عمیق پہلوؤں میں بنی نوعِ انسان کی بہبود پر مبنی ہو! آمین!! ثم آمین!!!

برادرانِ اسلام!

مسلم طالب علموں کی بیداری، ملّی تنظیم ایک نہایت مبارک اور امید افزا حرکتِ زندگی کی نشان ہے۔ مسلم طالب علموں کی جداگانہ تنظیم کی تحریک کے معنیٰ یہ ہیں کہ، ہمارے اسکولوں، کالجوں، مدرسوں اور یونیورسٹیوں کے نونہالانِ قوم بھی، قومیتِ متحدہ کی شبِ تاریک سے نکل کر، اسلامیت کے روزِ روشن کی طرف آرہے ہیں۔

خالص ملّی اصول اور فکرِ اسلامی کے اساس پر نوجوانانِ قوم کو جمع کرنے کی

تحریک، سب سے اول، سنہ ۱۹۳۱ء میں کلکتہ مسلم یوتھ لیگ اور مسلم نوجوان کانفرنس کے قیام سے شروع ہوئی۔ خادم اُس زمانے میں، کلکتہ یونیورسٹی کا طالب علم تھا، اور یہ محسوس کر رہا تھا کہ اسکولوں، کالجوں، اور یونیورسٹیوں کے مسلم طالب علم، اغیار کے مخالفانہ پروپاگنڈا کے سیلاب میں، بے اختیار بہتے جا رہے ہیں۔ مسلم نوجوان، اعتماد علی النفس کی دولت سے محروم ہو رہے ہیں۔ متحدہ وطنیت اور مخلوط قومیت کے طوفان میں، انھیں اپنی اسلامی شخصیت اور تہذیبی انفرادیت کا احساس تک نہیں ہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ مسلم نوجوان، بالخصوص، مغربی تعلیم پانے والے نوجوان، سیاسی اور تہذیبی ارتداد کے خطرہ میں مبتلا ہو گیا ہے۔

اس خطرۂ عظیم کے احساس نے اپریل سنہ ۱۹۳۱ء میں مجھ کو ایک بار پھر بے چین اور بیتاب کر کے کلکتہ یونیورسٹی سے اسی طرح نکلنے اور میدانِ عمل میں کودنے پر مجبور کر دیا جس طرح دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء میں اس نے مجھ کو مدرسہ عالیہ کلکتہ کو چھوڑنے اور پھر مسلم نیشنل اسکول کے دروازہ سے علی پور جیل کی تربیت گاہ میں، اپنے رفیق محترم و حبیب صدیق، سید محمد عثمان صاحب کے ساتھ، جانے پر آمادہ کیا تھا۔ لیکن سنہ ۱۹۲۱ء اور سنہ ۱۹۳۱ء کے درمیان بہت بڑا فرق تھا۔ خلافت تحریک اور ترک موالات کے خاتمہ، کے بعد، مسلمانوں میں فسادِ اخلاق، مایوسی اور شکست خوردگی کا ردِ عمل پیدا ہو چکا تھا۔ جمود و خمود کا عالم تھا۔ مسلم لیڈر، قومیتِ متحدہ کا تلخ تجربہ کر رہے تھے، مسلم نوجوان، حیران و پریشان تھا۔ شہید ملت، رئیس الاحرار مولانا محمد علی رحمۃ اللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ایسے مایوس کن حالات میں، اس خادم نے اپنی اندرونی آگ سے بے چین ہو کر، یونیورسٹی کے امتحان سے الگ ہونے کا

فیصلہ کیا اور اپنے آپ کو نوجوانانِ اسلام کی "فکر اسلامی" کے اساس پر تنظیم کے لئے وقف کر دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ ایک طرف حکیم الاسلام علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے میری دعوت کو اپنے خوابِ زندگی کی تعبیر قرار دیا۔ اور دوسری طرف بمبئی۔ الہ آباد۔ دہلی۔ لاہور، اور دیگر اقطار ہند کے نوجوانان اسلام نے اس کو لبیک کہا۔

میں آپ کی اجازت سے، مسلم یوتھ لیگ کلکتہ کے اس میثاق کے چند اصول کو یہاں پیش کرتا ہوں جو سنہ ۱۹۳۱ء میں شایع ہوا تھا کیونکہ میرے خیال میں آج سنہ ۱۹۴۰ء میں بھی مسلم طالب علموں اور مسلم نوجوانوں کو وہی خطرات درپیش ہیں اور آج بھی ان کے سامنے وہی نصب العین ہونا چاہیے۔

اقتباسات میثاق مسلم یوتھ لیگ کلکتہ سنہ ۱۹۳۱ء

دیباچہ تاسیس:۔

"(۱) ہرگاہ کہ اسلام کی نئی پود اور نئی نسل "فکر اسلامیت" سے بیگانہ ہوتی جاتی رہی ہے۔ اور خارجی خیالات و افکار کے ایک محشرستان میں سانس لے رہی ہے جس سے اندیشہ غالب ہے کہ وہ تہذیب اسلامی سے روحاً خارج اور عملاً منقطع ہو جائے گی۔ اور

"(۲) ہرگاہ کہ ملت ابراہیمی اور اخوتِ اسلامی دنیا میں سب سے اعلیٰ و اقرب حلقۂ اجتماع ہے۔ اور اُس سے انحراف، انقطاع اور خروج کے معنی ہلاکت میں پڑنا، غیروں میں جذب ہونا، اور فنا ہونا ہے۔ اور

"(۳) ہرگاہ کہ دنیا و آخرت، معاش و معاد، کی فلاح و نجاح، نظام اسلامی میں ہے۔ جو قرآن و سنّت اور روایاتِ سلفِ صالح میں زندۂ جاوید ہے۔ اور اُس کو جاننے اور سمجھنے کے لئے پیغمبرِ اسلام کی سیرت طیبہ سے آگاہی و شیفتگی ضروری ہے۔ کیونکہ رسول اسلام کی زندگی کا نمونہ امتِ اسلام کیلئے چشمۂ زندگی ہے۔ اور

"(۴) ہرگاہ کہ صوم و صلوٰۃ اور جمعہ و جماعت کے ارکانِ اسلامی، تہذیبِ نفس و تزکیۂ روح، اور ترکیب اجتماعی و تالیف ملّی کی موسسات الٰہیہ ہیں۔ اور

"(۵) ہرگاہ کہ ہندوستان میں انقلاباتِ سیاسی و اجتماعی جاری ہو چکے ہیں۔ اور انتقالِ حکومت ہونیوالا ہے۔ جس کے ذریعہ اس مختلف الملل ملک کی اکثریت تاریخ ہند میں پہلی مرتبہ برسرِ اقتدار آنیوالی ہے۔ اور اگر جوانان ملّت اسلامیہ نے حالات کا جائزہ لیکر کامل احساسِ ذمہ داری اور ایک آتشیں شعورِ "خودی" کے ساتھ اپنے "ملّی انا" کے استقلال کے لئے منظم، ہمہ گیر و ہمہ جہتی جہاد نہیں کیا تو حالات ایسے مخالف ہیں، کہ اس کا اندیشہ ہے کہ مسلم قوم ایک آزاد، خود مختار، اور مستقل، ملت کی حیثیت میں اس ملک میں فنا ہو جائے گی۔ لہٰذا

"اسلام کے نژادِ نو کی روحانی تہذیب اور جسمانی تربیت کے لئے عموماً اور جوانانِ ملت کو ایک سلک خدمت میں منسلک کرنے، ان کو "فکرِ اسلامی" کا وفادار اور "تہذیب اسلامی" کا شیفتہ اور "خدماتِ عامہ" کے واسطے منظم بنانے کے لئے خصوصاً "مسلم یوتھ لیگ" کی تحریک کا آغاز اللہ کے نام پر کیا جاتا ہے!

"ہر مسلم نوجوان جو صداقت اور دیانت کے ساتھ "فکرِ اسلامیت و استقلالِ ملیت" کا منسلکہ "میثاقِ مقدس" کو قبول کرے گا۔ اس سلسلہ کا رکن ہو سکتا ہے۔

نصب العین (۱) مذہباً فکر اسلامیت کی تبلیغ اور استقلال ملت کے قیام کے لئے "میثاق مقدس" کے مطابق کوشش کرنا۔ نوجوان نسل میں دینی حرارت پیدا کرنا۔ دین کے حقوق اور ملت کے مطالبات کو تمام باتوں پر مقدم رکھنا! ملت مسلمہ کو عملاً و حقیقتاً "امت وسطی" بنانا۔ اور مسائل عالم کا عملی حل اور امراض عمرانی کا حقیقی علاج ثابت کرنا۔

" (۲) سیاستاً (الف) آزاد ہندستان کے اندر آزاد اسلام کی تخلیق و تعمیر کی حمایت اور اس کے لئے مسلم حقوق و مطالبات کی تائید میں ہر طرح سعی کرنا۔
(ب) اسلامی شریعت و معاشرت۔ اوقات و املاک عامرہ کے ..... تحفظ و انصرام کے واسطے ایک آزاد و خود مختار نظام قضا کی حمایت کرنا (ج) اسلام کی نسل جدید کے حقوق کی حفاظت اور سود و بہبود کی ترقی کے لئے نوجوانوں کو بیدار و ہوشیار اور خود شناس و منظم بنانا تاکہ وہ آزاد ملل ہند کے پہلو بہ پہلو ایک آزاد ملت عزیز اور خود مختار اُمت مستقل کی پوزیشن حاصل کر سکیں اور اپنے حقوق ملی کی آپ حفاظت کرنے کے ہر طرح لائق بنجائیں۔

" (۳) تہذیباً (الف) ہندوستان میں اسلام کے عظیم الشان "میراث ملی" یعنی قومی معارف و تعلیم، شریعت و معاشرت تمدن و روایات، فنون و آداب، آثار و عمارات، شعائر و عوائد، اور زبان و رسم الخط کی جن سے ہماری "قومی کلچر" عبارت ہے، حفاظت و ترقی میں اپنا واجبی حصہ لینا۔ خصوصاً اُردو زبان کی حمایت کرنا (ب) معاشرتی اصلاح اور معاشی ترقی کی کوشش کرنا تاکہ سادہ اسلامی معاشرت کی ترویج اور مسرفانہ رسوم قبیحہ کا سدباب ہو اور اس طرح مسلمانوں کی قومی آمدنی میں اضافہ کیا جاسکے (ج) مردانہ کھیلوں، ورزشوں اور مقابلوں کے ذریعہ نوجوانوں میں جسمانی تربیت کی ترقی اور ایک فولادی

سیرت کی تعمیر کی سعی کرنا (د) ارکان اسلامی کی پابندی کے ذریعہ نوجوانوں میں اسلامی روحانیت اور ڈسپلن (اطاعت) کی طاقت پیدا کرنا، پابندی قواعد کی عادت ڈالنا اور اخلاق اسلامی کی روح پھونکنا"

فکر اسلامیّت و استقلال ملّیّت

قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ۚ

کہدو کہ تحقیق مجھ کو ہدایت کیا میرے رب نے طرف "صراط مستقیم" کے "جو دین قیم" ہے۔ اور ملت ہے ابراہیم کی جو سب سے کٹ کر

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ

صرف ایک ہو گئے تھے اور مشرک نہیں تھے۔ کہو کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت، سب کچھ اس اللہ

الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

کیلئے ہے جسکی ربوبیت عامہ سارے جہاں کیواسطے یکساں ہے اُسکا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا اور میں "اول مسلم ہوں" (سورۃ الانعام)

"رب قدوس کو حاضر و ناظر یقین کرتے ہوئے اپنے عقل و ضمیر اور ایمان و عزیمت کی تمام طاقتوں کے ساتھ مقدس عہد کرتا ہوں کہ

فکرِ اسلامیت

آج کے دن سے میری تمام فکروں پر "فکر اسلامیت" غالب ہوگی اور میری تمام وفاداریوں اور چاہتوں میں امت اسلامی کی وفاداری اور چاہت کا حصہ برتر ہوگا۔ میرے خیال اور عشق۔ اندیشہ اور شیفتگی کا بہترین اور برترین حصہ ملت اسلامی کے لئے ہوگا!

میں تمام قائلین کلمہ (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) اہل قبلہ کو جو ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اپنا اسلامی بھائی سمجھوں گا۔ اور اپنی زبان۔ اپنے ہاتھ، اور اپنے دل و دماغ سے اُن کی برائی نہیں بلکہ بھلائی چاہوں گا!

"میں امکانی سعی۔ صوم و صلوٰۃ، جمعہ و جماعت اور دیگر ارکان اسلامی کے

قیام کی کروں گا!

"میں قرآن اور اسلام کی بہترین تفسیر حضرت محمدؐ رسول اللہ کی زندگی کو یقین کرتا ہوں۔ اِس لئے میں اپنے پیارے رسول کو ہمیشہ اپنا اسوہ بنانے کی سعی کرونگا اُن کے قول و فعل کی تلاش کو فرض جانوں گا۔ اُن کی محبت و پیروی کو جزوِ ایمان مانوں گا اور ہمیشہ ان کی صحیح سوانح و سیَر کی اشاعت میں کوشاں رہوں گا!

"میں ہمیشہ اپنی ذات سے امن و آشتی کے ساتھ حقوقِ عائلہ وَذَوِی الْقُرْبیٰ، حقوقِ جار و جماعت، اور حقوقِ وطن و انسانیت کو ادا کرنے کی سعی کرونگا۔ قصداً کسی کا دل نہ دکھاؤں گا۔ اپنے ہاتھ سے عمداً کسی کو ضرر نہ پہنچاؤں گا۔ مگر اپنے دل کو ہمیشہ غیر اللہ کے خوف باطل سے پاک رکھوں گا۔ (اَلْبُغْضُ لِلّٰہِ وَالْحُبُّ لِلّٰہِ) "محض اللہ ہی کے واسطے عداوت اور اللہ ہی کے واسطے محبت" میرا محورِ حیات ہوگا۔ اور مطابق اصلِ اسلامی (لَا طَاعَۃَ لِلْمَخْلُوْقِ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ) "جس امر میں خالق کی نافرمانی ہو اس میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے" اور بپاس آیت قرآنی تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ) "نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تعاون باہمی کرو۔ اور گناہ و ظلم کے کاموں میں تعاون سے انکار کردو"۔ میرا تعاون اور عدم تعاون کبھی ذات۔ خاندان۔ قومیت۔ اور وطنیت کے باطل معیاروں کے موافق نہیں بلکہ شریعت اسلامیہ کے مطابق اور محض اللہ کی خاطر ہوگا!

استقلال ملیت

"میں "ملت اسلامیہ" کو دنیا کی آئیڈیل قومیت، مثالی شریعت، مثالی معیشت، مثالی نظام عمرانی اور مثالی سلطنت کی داعی و حامل یقین کرتا ہوں۔ اور اس حیثیت میں اس کو عالم انسانیت کی آخری امیدگاہ اور آخری منزل جانتا ہوں! بنا بریں میں

اس کی خود مختاریت اور استقلالِ فردیت کے قیام کے لیے جی جان سے جدوجہد کرنے کا عہد کرتا ہوں۔ اور تعلیمات قرآنی کے مطابق اعلان کرتا ہوں کہ میں "اوّل مسلم" ہوں اور صرف مسلم حنیف ہوں!

"میں اقوام ہند کے درمیان عام معاملات میں انصاف و آشتی اور صلح و محبت کے تعلقات کی استواری کے لئے کوشاں رہوں گا۔ اور کبھی ظلم و زیادتی کا ساتھ نہ دوں گا بلکہ ہر حاجتمند اور مصیبت زدہ کی خدمت کو بلا لحاظ و قوم و ملت عین اسلامی تعلیم سمجھوں گا!

"میں برِاعظم ہند کے برطانوی اور ریاستی ہر دو حصوں میں ملّت اسلامیہ کے لئے ایک آزاد، خودمختار، اور مستقل قومیت کی پوزیشن سے کم تر کسی درجہ پر ہرگز راضی نہیں ہوں گا۔ میں ہر حصہ ملک میں استقلال ملّت کے دینی و شرعی، سیاسی و معاشی، تعلیمی و تہذیبی واجبات اور حقوق کے حصول کیلئے اپنا سب کچھ تجنے اور تیاگنے کا مقدس عہد اُس اللہ ذُوالجَلَالِ وَالاِکرَام کے سامنے کرتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے اور جس کے لئے جینا اور مرنا میری اسلامیت اور حنفیت کی معراج ارتقا ہے!!!

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝

(ماخوذ از میثاق مسلم یوتھ لیگ کلکتہ ۱۹۳۱ء)

نونہالانِ ملت!

میں آپ کے سامنے مذکورالصدر نصب العین اور فکر کے سوا، آج بھی کوئی دوسرا، پیغام پیش کرنے کے لئے لائق نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے کہ، ہمارے لئے کوئی دوسرا پیام دینا اور آپ کے لئے کوئی دوسرا پیام سُننا بحیثیت مسلمان، ناممکن ہے! میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنی جداگانہ ملی تنظیم کو

اسی فکرِ اسلامیت کے نور سے منور فرمائیں گے اور اسی استقلال ملیت کے عملی اساس پر قائم فرمائیں گے۔

واقعہ تو یہ ہے کہ آزاد ہندوستان میں آزاد ملت اسلام کی تعمیر اور فکر اسلامیت و استقلال ملت کا جو خواب ہم ۱۹۳۰ء میں دیکھتے تھے۔ اور جس کا نقشہ مذکورہ میثاق سے ظاہر ہے آل انڈیا مسلم لیگ کی قرار داد لاہور کے ذریعہ آزاد مسلم سلطنت کے نصب العین کو قبول کر کے اسلامی ہند نے اُس خواب کی عملی تعبیر کو نزدیک کر دیا ہے۔ اتنا نزدیک کہ ہم میں سے کوئی شخص ۱۹۳۱ء میں اس کا تصور بھی مشکل سے کر سکتا تھا کہ مسٹر محمد علی جناح اس کے داعی ہوں گے اور آل انڈیا مسلم لیگ اس نصب العین کو اپنا نصب العین بنائے گی۔

مسلم نوجوانوں، بالخصوص مسلم طلبہ کی جمعیتوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس نصب العین کو ہر مسلم کے دماغ کی مرکزی فکر اور ہر مسلم کے دل کا شعوری ایمان، عزم اور عشق بنا دیں اور مسلم قوم کو اس کے لئے ہر جدوجہد کے لئے تیار کریں۔

برادران گرامی!

اگر آپ نے اس نصب العین کے لئے اپنی زندگی اور موت کو وقف نہیں کیا، تو آپ کا اس خاکدانِ دنیا میں آنا بیکار ہوگا اور یہاں سے آپ کا جانا بھی لاحاصل ہوگا۔ آپ کی زندگی ضایع ہوگی اور آپ کی موت اکارت جائے گی۔ سنئے اور یاد رکھئے کہ اب آپ کی وجہ زیست اس ملک میں ایک اور صرف ایک ہے اور وہ ملت اسلام کی آزاد سلطنت قائم کرنے کے لئے جینا اور مرنا ہے! یہی آپ کی کامیابی ہے، یہی آپ کی آزادی ہے یہی آپکی نجات ہے۔

طلب علم اور طالب علم

طلب علم، اگر اللہ کی راہ میں ہو، اور اللہ کے دین کی بلندی کیلئے ہو تو جہاد ہے تحقیق حق، اور طلب علم کے فضائل بے شمار ہیں۔ بحیثیت طالب علم آپ کا فرض ہے کہ آپ تحصیل علم اور کسب کمال کو اپنا اہم ترین وظیفہ یقین کریں۔ اپنا سب سے زیادہ وقت اسی اصلی مقصد کے لئے صرف کریں۔ اپنی سب سے زیادہ توجہ اور محنت اسی کام کے لئے وقف رکھیں اور ہر شعبۂ علم و فن و عمل میں ہر دوسری جماعت سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ تعلیم کا مقصود شخصیت کی تکمیل اور شخصیت کو ملت اسلامیہ کی کامل رکنیت کے لئے تیار کرنا اور ملت کو تسخیر عالم کے نصب العین کے حصول میں مدد دینا ہے۔

اس تعلق میں عقل سلیم در جسم سالم کے اصول کو کبھی نہ بھولیں۔ صحت جسمانی، ورزش جسمانی اور طاقت جسمانی ہی وہ ٹھوس بنیاد ہے جس پر آپکی علمی، اخلاقی، روحانی و دینی فضائل کی عمارت اور آپ کے عملی کارناموں کی تعمیر کھڑی ہو سکتی ہے۔

ملت کی سب سے بڑی دولت اس کے چاق و چوبند، قوی بازو، بلند ہمت اور صحت ور نوجوان ہیں جن کے دل میں خون خالص ہے جن کی رگوں میں بجلی ہے، اور جو اپنی جسمانی، دماغی و روحانی صحت کے باعث اپنے آپ کو تمام آسمانوں اور تمام زمینوں پر بھاری یقین کرتے ہیں اور جو اپنے ایمان و عمل کی طاقت سے، سب پر چھا جانا، اور سب پر غالب آنا چاہتے ہیں۔

ملت اسلامیہ ہند آج اسی دولت کی محتاج، طالب اور آرزومند ہے اور اگر آپ چاہیں تو یہ دولت، اپنی ملت کو بخش سکتے ہیں۔

قوم را سرمایہ اے صاحب نظر :: نیست از نقد و قماش و سیم و زر

مال او فرزند ہائے تندرست ٭ تر دماغ و سخت کوش و چاق و چست
فارغ از خوف و غم و وسواس باش ٭ پختہ مثل سنگ شو، الماس باش
می شود از وے دو عالم مستنیر ٭ ہر کہ باشد سخت کوش و سخت گیر
در صلابت آبروے زندگی است
ناتوانی، ناکسی، ناپختگی ایست (اقبال)

برادران ملت!

اب میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ آپ کے پلاٹ فارم کے واسطے نوجوانان اسلام اور ملت سے عمومی خطاب کروں۔ اور ہندوستان کے موجودہ انقلابی حالات کے ماتحت اپنے معروضات قوم کے سامنے پیش کروں۔ کلکتہ ضلع مسلم لیگ کانفرنس کے اولین اجلاس منعقدہ ۲۶۔ دسمبر ۱۹۳۷ء کے خطبۂ استقبالیہ میں میں، غدر ۱۸۵۷ء سے ستمبر ۱۹۳۷ء تک کے سیاسی حالات و واقعات کی تاریخ عرض کر چکا ہوں۔ اسی سلسلے میں فسطائیت کی اصلیت اور تھیوری، کانگریسی فسطائیت کے خطرات، بین الملی مخلوط حکومت کے اصول، فلسفۂ آزادی اور آزادی کی اقسام، اور اعدام ملت" یعنی ایک مستقل قومیت کے قتل کرنے، اور فنا کرنے کے جدید ترین طریقوں پر علمی و عملی سیاست کے نقطۂ نظر سے پوری روشنی ڈال چکا ہوں۔ آج میں نیشنلیٹی، نیشن، نیشن ہوڈ اور نیشنل ازم کے اصلی معنی کو علمی و عملی سیاست کی روشنی میں واضح کرنا چاہتا ہوں کیونکہ حقیقت میں یہی اسوقت ہندوستان کا مسئلہ ہے، اور جب تک ہم اس کی بنیادی حقیقت، اصلی ماہیت اور حقیقی نوعیت سے آگاہ نہ ہوں گے، نہ ہم موجودہ سیاسی مسائل کو اچھی طرح سمجھیں گے اور نہ ملت اسلامی کی صحیح پوزیشن کا اندازہ کر سکیں گے۔

اور رہ صراط مستقیم کا نشان پائیں گے۔

آپ کا پلاٹ فارم ملت کے طالبان علم اور صاحبانِ فکر و نظر کی نمائندگی کرتا ہے لہذا آپ کے واسطے سے ہمارا خطاب نہ صرف عامۂ جماعت سے ہے بلکہ خاص طور سے، قوم کے سوچنے والے دماغِ مُدبّرہ سے ہے۔ آپ یقین فرمائیں کہ صحیح نظر اور صحیح نقطۂ نگاہ آج کے پُرپیچ حالات میں ملت کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا صحیح عقیدہ اور صحیح عمل ضروری ہے اور ہمارے سامنے آج نیشنل ازم کا مسئلہ درپیش ہے جس کے صحیح حل پر ہماری ملی ہستی و نیستی کا دارومدار ہے

قومیت کا قوام علمی تعریف اور تاریخی تحلیل

حضرات!

"نیشنلیٹی" (قومیت) ان مسائل کے صحیح تصور اور صحیح فہم کے لئے پہلی لازمی ضرورت۔ نیشنلیٹی (قومیت) نیشن (قوم)، نیشن ہوڈ اور نیشنل ازم (قومیت پرستی) کے سیاسی اور اصطلاحی الفاظ کے اعتبار سے، صحیح تعریف ہے۔ ان الفاظ کے متعلق بہت خطرناک کم فہمی و غلط فہمی جاری ہے جسکے باعث، لوگوں میں ان کے متعلق سخت انتشارِ فکر پایا جاتا ہے۔ اس پریشانیٔ دماغ کا سب سے بڑا، سبب یہ ہے کہ اب تک ان پر لغوی اور عام صحافتی لحاظ سے سرسری اور غلط نظر ڈالی گئی ہے اور علم السیاست، سوشیالاجی اور تاریخ سیاست و تمدنِ حاضر کے علمی و عملی نقطۂ نگاہ سے ان کی حقیقت کو دریافت کرنے کی طرف توجہ نہیں کی گئی ہے۔ قوم، قومیت اور قومیت پرستی کے لغوی معنیٰ اور اُن کے اصطلاحی سیاسی معنیٰ اور تاریخی تفسیر میں بہت بڑا فرق ہے۔

"قومیت (نیشنلیٹی) وہ زبردست احساس اشتراک واتحاد ہے جو کسی مخصوص سوشیل دور کے مخصوص تاریخی احوال کے ماتحت کسی اسٹیٹ کی وحدت کی مالک رہ چکی ہے یا تا حال ایک قومی اسٹیٹ کے واسطہ سے اسکے کمال واظہار کی آرزومند ہے۔ متفرق، زمانوں، اور ملکوں میں مختلف، متنوع و متضاد احوال پر مبنی رہنے کے باوجود احساس قومیت، بذاتِ خود، بالکل معین، محکم اور متحرک ہے۔ قومیت کا نام اور خیال، انسانوں کے اندر، عشق، فدایت قربانی، اور حتیٰ کہ پرستش کے عمیق ہیجانات کو ابھارتا ہے۔"

(میکاویر۔ ماڈرن اسٹیٹ)

"قومیت کی تکوین نہ جغرافیہ سے ہوتی ہے، نہ نسل، نہ زبان سے، اور نہ تاریخ سے،.... بلکہ زمانۂ ماضی میں عظیم وقابل فخر و ناز کارناموں، میں باہمی شرکت کے احساس، اور مستقبل میں اُن کارناموں کے دُہرانے کے "ارادہ وعزم" کے اتحاد سے ترکیب پاتی ہے۔ جماعت کا مشترک حافظہ ویاد، خواہ یہ یاد مشترک فتوحات اور ترقیات کی یاد ہو، یا مشترک مصائب وآلام کی یاد ہو، اور جماعت کے افراد میں، موجودہ وحدت کے قائم ودائم رکھنے کا عزم وارادہ، اور جذبہ اور فکر، قومیت کے دو اصلی وجوہری لوازم ہیں۔

"اگر صحیح الدماغ انسانوں کا ایک زبردست اجتماع موجود ہے اور ان کے دلوں میں جذبات کی گرمی موجود ہے تو ان کے اندر وہ مشترکہ اخلاقی شعور اور اُخلاقی حس پیدا ہوجائے گا جس سے ہم قومیت کی تعبیر کرتے ہیں۔"

(رینان)

"قومیت (نیشنلیٹی) ایک روحانی جذبہ واحساس، فکر وشعور ہے، جو عموماً ایک ایسے گروپ میں جاری وساری ہوتا ہے، جو مشترک نسل،

مشترک زاد و بوم، مشترک زبان و ادب، مشترک تاریخ و روایات، مشترک تہذیب و تمدن، مشترک مذہب و اخلاق، مشترک سیاسی علائق اور نظم و وحدت کے مشترک نصب العین یا آئیڈیل رکھتی ہے۔ وطن، نسل، زبان، تاریخ و روایات مذہب، اخلاق، مشترک فوائد، مشترک سیاسی تعلقات، اور سیاسی نظم و وحدت کے متعلق مشترک امید و آرزو، وہ عناصر ہیں جن پر "قومیت" (نیشنلیٹی) مبنی ہے؛ مگر یہ عناصر قومیت کے صرف اساسات ہیں، فی نفسہٖ "قومیت" نہیں ہیں۔ کیونکہ قومیت اصلاً و جوہراً کوئی مادی یا ظاہری یا مرئی شے نہیں ہے، بلکہ ایک روحانی کیفیت اور اصل وحدت ہے جو خاص احوال و ظروف میں خاص نوعیت و رنگ کے ساتھ، ان عناصر میں سے بعض کے ملاپ، اختلاط اور امتزاج سے ظہور میں آتا ہے ٹھیک جس طرح بعض مادی اجزا کے باہمی ربط و ضبط سے بعض کیمیاوی مواد کا قوام قرار پاتا ہے۔ تاہم تکوین قومیت کے لئے نہ ان تمام عناصر کی یکجائی ضروری ہے اور نہ منفرداً ان میں سے کوئی ایسا عنصر ہے جو دائمی و قائمی اور لازمی ولابدی ہو۔ لیکن ہر قومیت اپنے اساس و بنیاد کے لئے ان عناصر میں سے چند ایک ضرور رکھتی ہے۔ قومیت (نیشنلیٹی) روحانی وحدت ہے۔ اس لازمی روحانی عنصر ــــ احساس وحدت ــــ کا بہر حال و بہر مثال، کسی نہ کسی جسمی و مادی عنصر یا عناصر کے ساتھ رہنا واجبی ہے، ورنہ جسم ہوگا اور روح نہیں ہوگی۔

"ہر قومیت" ایک "اسٹیٹ" (یعنی سلطنت) رہ چکی ہے (جیسا کہ یہود، اسکاٹ وغیرہ) یا ایک "اسٹیٹ" بننا چاہتی ہے، خواہ یہ کوئی نئی "اسٹیٹ" ہو یا کسی گذشتہ "اسٹیٹ" کی بحالی ہو (جیسا کہ پول، اور زیچ)۔ وحدت سیاسی۔ (گذشتہ وحدت سیاسی کی یاد یا آئندہ وحدت سیاسی کی آرزو)

نیشنلیٹی کی ممتاز ترین خصوصیت ہے، اتنا ممتاز اور نمایاں کہ متعدد اتحادات واشتراکات نژاد و بوم وغیرہ میں سے تنہا یہی ایک ضروری ولازمی قرار پاسکتی ہے "قومیت" ایک زندہ نامیہ ہے، اس لیئے کہ ماضی میں یہ ایک مخصوص ومعین وطن اور اسٹیٹ کے ساتھ ایک سیاسی "قوم" (یعنی نیشن) رہ چکی ہو یا مستقبل میں ایک مخصوص وطن اور اسٹیٹ کے ساتھ ایک مستقل سیاسی "قوم" (یعنی نیشن) بننے کی آرزو رکھتی ہے۔"

(گیلکرائیسٹ)

"قومیتیں نہ لسانی وحدت ہیں، اور نہ سیاسی وحدت اور نہ بایالا جیکل (حیاتیاتی) وحدت، بلکہ روحانی وحدت ہیں۔" (اسپنگلر)

"اسٹیٹ (سلطنت) ایک پولٹکل تصور ہے اور قومیت ایک کلچرل (تہذیبی) تصور ہے۔"

نیشن (قوم) "نیشن" (قوم) سیاسی واصطلاحی معنی کے لحاظ سے وہ نیشنلیٹی (قومیت) عبارت ہے جو ایک اسٹیٹ بن چکی ہے۔ گویا جب نیشنلیٹی، کی روح، اسٹیٹ کے جسم کے ساتھ ترکیب پاکر نمودار ہوتی ہے تو نیشن کہلاتی ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ "نیشن" کے وجود کے لیئے کسی نیشنلیٹی کا اسٹیٹ کے ساتھ امتزاج ضروری ہے اور یہی وجہ ہے کہ "قومی" سلطنتوں میں اسٹیٹ اور نیشن، مترادف، ہم معنی اور معادل الفاظ کے طور پر، استعمال ہوتے ہیں۔

نیشنل ازم نیشنل ازم، قومیت پرستی کے مذہب کا نام ہی، نیشنل ازم وہ روح ہے جو ایک نیشنلیٹی (قومیت) کو اپنے سیاسی استقلال کو بصورت آزاد سلطنت قائم

کرنے پر آمادہ کرتی ہے' یا اس کی قائم شدہ قومی سلطنت' قومی طاقت' قومی تہذیب اور قومی مفاد کو' دوسروں کے مقابلے میں سب سے برتر رکھنے کی ترغیب دیتی ہے اور افراد قوم سے' قومی سلطنت کے لئے غیر مشروط وفاداری' غیر مشروط اطاعت اور غیر مشروط عقیدت کا مطالبہ کرتی ہے۔ یہ وہ روح کلیت ہے جو قومی سلطنت کے دائرہ کے اندر کامل وحدت و یکرنگی کا مطالبہ کرتی ہے اور تمام شخصوں' جماعتوں' مفادوں اور مذہبوں کو قومی سلطنت کے ماتحت' تابع' اور محکوم رکھنا چاہتی ہے۔

نیشنل ازم قومی سلطنت کے لئے (۱) حاکمیت مطلق اور (۲) کامل داخلی اتحاد کا مطالبہ کرتا ہے۔ نیشنل ازم کے عقیدہ کے مطابق (۱) "نیشن اسٹیٹ" (قومی سلطنت) انسانی تنظیم کا آخرین و بلند ترین حلقۂ اجتماع ہے اور بنابریں (۲) "قومی سلطنت" انسانی وفاداری اور عقیدت کا بھی آخرین و بلند ترین دائرہ' حد اور حلقہ ہے۔ مازینی اور ہیگل کے نزدیک قومی سلطنت' انسانوں کی تنظیم کی آخری کڑی ہے اور بنابریں' انسان کا پہلا اور آخری فرض' وفاداری اور عقیدت' اس کی قومی سلطنت کے لئے ہونا چاہئے۔

بالفاظ دیگر' قومی سلطنت' عہد حاضر کا نعوذ باللہ رب الارباب یا خداوند اکبر ہے اور نیشنل ازم اس رب الارباب کی پرستش کا مذہب ہے۔ قومی سلطنت زمانہ جدید کا صنم اکبر ہے اور نیشنل ازم کفر جدید ہے

قومیت' کی روح کسی نہ کسی کلچرل شکل میں زمانہ قدیم سے موجود ہے۔ لیکن نیشنل ازم (قومیت پرستی) کا جدید سیاسی مذہب' ایک نیا مذہب ہے اور زمانہ جدید کا پیداوار ہے۔

جدید مذہب قومیت کی بالیدگی و تکوین' جدید ملکی و مطلق العنان قومی

اسٹیٹ کی تکوین کی بنیاد پر ہوئی ہے، اور اس کی مختصر روئیداد درج ذیل ہے

جدید قومیت کی تاریخ نشو و ارتقا

حضرات!

جدید قومیت کی اصل و نسل اور ماہیت معلوم کرنے کے لئے اس کی پیدائش کے حالات کا سرسری جائزہ لینا ضروری ہے۔ سلطنت روما کی، وحشی اقوام مغرب کے ہاتھوں تباہی کے بعد، یورپ میں فیوڈل ازم اور چرچ ازم یعنی جاگیرداروں اور عیسائی پوادری کا دور شروع ہوا۔ سلطنت روما کے تمام مفتوحہ علاقے اور ضلعے، مختلف حکمران جاگیرداروں، امیروں اور نوابوں کی ملکیت قرار پا گئے۔ مگر رفتہ رفتہ اکثر ممالک میں، چند بڑے جاگیرداروں نے چھوٹے لارڈوں اور نوابوں کو اپنا تابعدار اور باجگذار بنا لیا۔ یہ بڑے جاگیردار بادشاہ کہلانے لگے۔ لیکن یہ بادشاہ برائے نام تھے۔ تمام زمین، محاصل، اور فوج جاگیرداروں کے قبضے میں تھی۔ جو ہمیشہ بغاوت اور فساد کرتے رہتے تھے۔ ملک میں جتنے جاگیردار اتنی ہی سلطنتیں تھیں۔ سلطنت کی کوئی مرکزی فوج اور وحدت نہیں تھی۔ رعایا جاگیرداروں کی غلام تھی۔ ملک جاگیرداروں میں بٹا ہوا تھا۔ فیوڈل ازم کا لازمی نتیجہ طوائف الملوکی، خانہ جنگی، عام اختلال و انتشار کی دائمی حالت تھی جس سے نجات پانے کے لئے بالآخر بادشاہوں نے عام رعایا کی تائید سے جاگیرداروں کی سرکوبی کی اور فیوڈل سسٹم کو مٹا کر مضبوط مرکزی بادشاہتیں قائم کیں سب سے اول۔ انگلستان، اسپین، اور فرانس میں اس طرح کی، ہمہ گیر، مضبوط اور مرکزی بادشاہتیں وجود میں آئیں۔

ڈیوائن رائٹ اور ڈیوائن کمیشن کے عقائد

اس طرح طوائف الملوکی ختم ہوکر، ملک میں سیاسی مرکزیت اور وحدت تو ضرور پیدا ہوئی لیکن ایک دوسری خرابی بھی اس کے ساتھ نمودار ہوگئی۔ اور وہ بادشاہوں کی مستبدانہ شخصیت اور آئینی مطلق العنانیت کی خرابی تھی۔

یورپ کے اس زمانہ وسطیٰ کے ملکی بادشاہوں نے اپنی حاکمیت مطلق کی تائید میں دو سیاسی عقائد کو پیش کیا۔

(۱) اولاً بادشاہوں کے مامور من اللہ ہونے کا عقیدہ جس کو عقیدۂ ماموریت من اللہ (تھیوری آف ڈیوائن کمیشن) کہتے ہیں۔ اور جس سے یہ عقیدہ مراد تھا کہ بادشاہ خاص خدا کے فرستادہ اور قائم کردہ ہیں اور بادشاہ کے اختیارِ حکومت براہِ راست خدا سے ماخوذ ہیں۔

(۲) ثانیاً یہ عقیدہ کہ بادشاہ حکومت کرنے کا خدائی حق لیکر آتے ہیں اور وہ کسی کے پابند نہیں ہیں۔ اس کو خدائی حق حکومت کا عقیدہ (ڈیوائن رائٹ تھیوری) سے نامزد کیا گیا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ بادشاہ کو حاکمیتِ مطلق کا حق خدا نے عطا کیا ہے اور وہ خدا کے سوا، اور کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہے۔

بادشاہوں کے اس شخصی مطلق العنانیت کا نمائندہ لوئی چہاردہم شاہ فرانس تھا جس نے اعلان کیا تھا کہ "میں سلطنت ہوں"۔ یعنی بادشاہ کی مرضی اور ذات کا نام سلطنت ہے۔

بادشاہوں کی اس مطلق العنانیت کا آخری نتیجہ قومی و جمہوری

انقلابات کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جدید نیشنل ازم، پولینڈ کی تقسیم اول (۱۷۷۲ء) سے بمشکل زیادہ عمر رکھتا ہے۔ پولینڈ کی قومی سلطنت کی روس، آسٹریا اور جرمنی کے درمیان ظالمانہ تقسیم اول (۱۷۷۲ء) اور امریکہ میں انقلاب امریکہ کے بعد نیشنل آزادی کا قیام (۱۷۷۶ء) اور فرانس میں انقلاب فرانس کے بعد نیشنل حاکمیت اور جمہوریت کا اعلان (۱۷۸۹ء) ایک ہی وقت اور سلسلے کے واقعات ہیں۔

قومی سلطنت کے نظریۂ حاکمیت کے ارکانِ خمسہ

اس نومولود نیشنل ازم کے عقیدہ نیشنل استقلال اور نیشنل حاکمیّت میں سے ہر ایک عقیدہ عملاً ایک انقلاب آفریں ڈائنامیٹ ثابت ہوا ہے۔

یہ نیشنل ازم اپنے نمود و اظہار کے لئے ایک قومی ساویرن اسٹیٹ (SOVEREIGN NATION STATE یعنی مطلق العنان قومی سلطنت) کے اعضا و ارکان کا طالب ہے۔ بنابریں جدید نیشنل ازم، قومی سلطنت کے لئے خود کفایتی (SELF SUFFICIENCY) اور استقلال مطلق کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ جدید مذہب، ہر قومیت کے لئے ایک خود کافی، خود قائم، خود شناس، خود زندہ، خود نما، خود افزا، خود مختار، خود سر اور خود پرست قومی سلطنت قائم کرنے کا مذہب ہے۔

یہ نیشنل ازم بہت جلد بڑھ کر ایک قاہرانہ چنگیزی اور امپیریل ازم کی صورت اختیار کر لیتا ہے، کیونکہ نیشنل ازم قومی سلطنت کیلئے بالیدگی اور توسیع و تسخیر ممالک کو لازمۂ حیات مانتا ہے۔

تاریخ قومیت سے جو حقیقت اعظم روشن ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قومیت فی الاصل ایک تفریقی، اور انقطاعی طاقت ہے۔ یہ اپنے افراد قوم کو دوسروں سے علیٰحدگی پر مجبور کرتی ہے۔ یہ قومیت کی خود پرستانہ تفریقی ذہنیت ہی کا نتیجہ ہے کہ قومی سلطنت اپنی بقا اور ترقی و توسیع کے لئے اپنے شہریوں سے غیر مشروط مطلق اور کلی "وفاداری" کا مطالبہ کرتی ہے۔

بالفاظ دیگر، قرون مظلمہ کے پادشاہوں نے اپنی انانیت و مطلق العنانیت کے استحکام کے لئے جو (۱) ڈیوائین کمیشن (ماموریت من اللہ) اور (۲) ڈائیوائین رائٹ (خدائی حق حکمرانی) کا عقیدہ ایجاد کیا تھا۔ انقلاب فرانس کے بعد "قومی سلطنتوں" نے اپنے آپ کو اُن دونوں عقیدوں کا وارث قرار دیا ہے، بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ "قومی سلطنت" (نیشن اسٹیٹ) ڈیوائین رائٹ کے حد سے بھی بڑھ گئی ہیں۔ کیونکہ یہ پادشاہ، تو پھر بھی خدا کے وجود، اور خدا کے قانون کو مانتے تھے اور اپنے آپ کو اس کے سامنے جوابدہ ظاہر کرتے تھے، لیکن جدید نیشنل ازم کا پیدا کردہ نیشنل اسٹیٹ تو بالکل لادینی اسٹیٹ ہے۔ وہ قطعاً کسی خدا اور اس کے قانون کو نہیں مانتا ہے۔ بلکہ عقیدتاً اور عملاً موجودہ "قومی سلطنت" اپنے آپ کو خود خدائے مطلق کی جگہ تصور کرتا ہے اور اپنے آپ کو خدائی صفات اور اختیارات سے متصف گردانتا ہے

"ڈیوائین کیشن تھیوری" کے مقابلے میں نیشنل ازم کے خدائے مطلق۔ "نیشنل اسٹیٹ" نے — "نیشنل ساورنٹی" — یعنی حاکمیت سلطنت قومی — کا عقیدہ ایجاد کیا ہے۔

انقلاب فرانس کے مابعد کے سیاسی نظریات کے مطابق،

نیشن اسٹیٹ کی روح رواں جان، اور جوہر "حاکمیت" (sovereignty) ہے۔ جہاں حاکمیت ہے وہاں اسٹیٹ ہے اور جہاں اسٹیٹ ہے وہاں حاکمیت ہے۔ ایک کے بغیر دوسرے کا وجود ناممکن ہے۔ کیونکہ ایک جسم ہے اور دوسری اس کی جان ہے۔

"حاکمیت" (ساورینٹی) کا عقیدہ، جدید مغربی سیاست کا بنیادی اور جوہری عقیدہ ہے یہ ایک سیاسی اور قانونی اصطلاح ہے جس کے خاص معنی معین ہیں۔

حاکمیت یعنی ساورینٹی، نیشن اسٹیٹ کی:۔

i) مطلق العنان ولا محدود

ii) ہمہ گیر، عالمگیر و محیطِ کل

iii) ناقابل انتقال

iv) دائمی و قائمی اور

v) ناقابل تقسیم و تجزیہ، طاقت کا نام ہے

i) حاکمیت کی مطلق العنانیت سے مراد یہ ہے کہ "نیشن اسٹیٹ" کو مطلق اور لامحدود اختیارات حاصل ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ (الف) سلطنت کے اندر کوئی دوسری طاقت قومی سلطنت کی ہمسر و ہم مرتبہ نہیں ہے۔ بلکہ اُس کے اندر کا ہر فرد، اور ہر گروہ اور ہر علاقہ۔ کاملاً و مطلقاً، اور بلا کسی شرط کے "نیشن اسٹیٹ" کا محکوم ہے اور اسٹیٹ جو چاہے ان کے ساتھ کر سکتی ہے۔

(ب) ثانیاً سلطنت کے حدود کے باہر میں بھی کوئی طاقت نیشن اسٹیٹ سے برتر، اور غالب تر نہیں ہے جو اپنے حدود و ضوابط سے

اسٹیٹ کو پابند کر سکے۔ اسٹیٹ کی حاکمیت کی مطلق العنانیت کے معنیٰ اسٹیٹ کا اس کے ممبروں کے اوپر، لامحدود اور غیر مشروط اختیار ہے۔ کوئی انسانی طاقت، اسٹیٹ سے برتر، بزرگتر اور غالب تر نہیں ہے۔

ii) حاکمیت کی عالمگیریت یا ہمہ گیریت یا کلیت سے یہ مراد ہے کہ اسٹیٹ کی سیادت ہر جائی ہے، یعنی ہر ایک شخص و جماعت پر محیط و مسلط ہے اور جس طرح خدا کی قدرت کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، نعوذباللہ اسٹیٹ کی طاقت، سب پر حاوی ہے اور کوئی جماعت یا ملت اسٹیٹ کے محیط کل اختیار سے خارج اور محفوظ نہیں ہے۔

نیشن اسٹیٹ، ”ہمہ اوست“ ہے

iii) حاکمیت کی ناقابل انتقالیت کے معنی یہ ہیں کہ حاکمیت، نیشن اسٹیٹ کے وجود کی جزلاینفک اور ایک لازمی و واجبی جوہر ہے کیونکہ یہ اُس کی فطرت میں حلول کی ہوئی ہے اور اس کے انتقال کے معنیٰ خود نامیہ سلطنت کے ”انتقال“ کے ہیں۔ جس وقت حاکمیت ایک اسٹیٹ سے کسی دوسری اسٹیٹ کو منتقل ہوتی ہے اس وقت اس کی زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے۔

iv) حاکمیت کے دوام سے یہ مراد ہے کہ حاکمیت خود سلطنت کی طرح دائم اور قائم بالذات ہے۔ دونوں ہمدم و ہم زیست ہیں، کیونکہ ایک کی زندگی، دوسرے کے وجود کے ساتھ ضروری، لابدی اور واجبی ہے۔

v) حاکمیت کی ناقابل تقسیمیت کا وصف حاکمیت کی مطلق العنانیت سے پیدا ہے معنیٰ یہ ہیں کہ قومی سلطنت کی سیادت کو ایک سے زاید اجزا کے درمیان تقسیم کرنا، اُس کی کلیت کو ختم کرنا ہے اور اسکی کلیت کا

خاتمہ، خود اُس کے وجود کا خاتمہ ہے۔

حضرات!

یہ ہے مغربی نیشنل ازم کا بنیادی عقیدہ۔ حق یہ ہے کہ اس عقیدہ کے مطابق 'نیشنل ازم' نے مذہب کی جگہ، اور اُسکے معبود 'نیشن اسٹیٹ' نے خود 'خداوند تعالیٰ کی جگہ لے لیا ہے۔ قرونِ مظلمہ کے مطلق العنان بادشاہوں کی ڈیوائین رائٹ تھیوری، شرک کی تھیوری تھی، تو موجودہ "نیشن اسٹیٹ" کی حاکمیت مطلق کی تھیوری حقیقت میں کفر جدید اور الحاد حاضر کی تھیوری ہے۔ یورپ نے اپنی گمراہی و بدبختی سے نعوذ باللہ خدائے قادر مطلق کو اُس کے عرشِ حاکمیت سے ہٹا کر، خود اپنی جماعتی انانیت کو اُس کی جگہ تخت نشین کرنے کی کوشش کی ہے یہ کوشش، یورپ میں سیاست، معیشت، اور تمدن کے لادینی بنا دینے پر منتج ہوا ہے۔ آج یورپ اپنے اسی طغیان کے طوفان ہلاکت میں گرفتار ہے۔ آج مغرب اسی قومیت پرستی کا جہنم زار ہے!

نیشنل ازم کے مطابق "نیشن اسٹیٹ"، انسانی تنظیم کی آخرین و برترین حلقۂ اجتماع ہے اور انسان کی وفاداری اور اطاعت کا اولین و آخرین مرکز "نیشن اسٹیٹ" ہے۔ فرد اور جماعت کی پہلی اور آخری ڈیوٹی طوعاً و کرہاً "قومی" سلطنت کی اطاعت اور "عبادت" ہے۔ فرد کی واحد وفاداری قومی سلطنت کے لئے ہونا چاہئے، کیونکہ اسٹیٹ اپنے حلقہ کے اندر یا باہر کسی دوسری وفاداری کا روادار نہیں ہو سکتا ہے۔ نیشن اسٹیٹ، نعوذ باللہ "قادر مطلق" اور "خدائے خداوند" ہے۔ فرد کی ابدیت و نجات اپنے آپ کو "قومی سلطنت" کی زندگی اور خدمت اور

پرستش میں فنا کردینے میں ہے۔

جدید قومی اسٹیٹ کا نظریہ دراصل اسکو ایک فرعونی اور نمرودی "رب الاعلیٰ" اور "خدائے لاشریک" قرار دیتے ہوئے، اس کو تمام خدائی اوصاف واختیارات سے متصف کرتا ہے

فیکٹے لکھتا ہے:۔

"حیات انسانی محض ازلیت والہیت کی ارتقا ہے ...... نیشن فی الاصل خدائے مطلق، خدائے ازلی اور خدائے ابدی کی مظہر ہے ۔۔۔ بنابریں اسٹیٹ جو قومیت کا آلۂ عمل ہے، حسب ضرورت، آزادی، شریعت، اخلاق اور ہر چیز کو اپنے نیشن کی ابدی ارتقا کے لئے اپنے سامنے بے خس وخاشاک کی طرح بہالے جا سکتی ہے کیونکہ آزادی، شریعت اور اخلاق، محض اسٹیٹ کی مخلوقات ہیں۔

ہیگل کہتا ہے:۔

"اسٹیٹ" اجتماعی اخلاق کے تصور کی آشکارا حقیقت ہے اسٹیٹ، عقلیت کاملہ، خود آگاہ، نطق بالغہ اور حکمت راشدہ ہے اور اس لئے وہ اپنا آپ مقصود، اپنا آپ نصب العین، اپنا آپ معبود ہے کیونکہ وہ مطلق اور مشروط، کل اور جزء اور ارادۂ کلیہ اور ارادۂ منفردہ کا اتحاد ہے" اور عالمگیریت اور خصوصیت کا اتحاد ہی حریت کاملہ اور عقلیت تامہ ہے پس اسٹیٹ روح عالم اور روح کل (GEIST) کا ازلی ابدی اور داخلی جوہر ہے ۔۔۔

فلہذا اسٹیٹ اصلاً کسی قانون بین الاقوام اور آئین بین الدول کا وجود نہیں ہر اسٹیٹ۔ خود اپنا آپ قانون ہے۔ ہر اسٹیٹ کی مرضی اُس کا آئینِ اعظم ہے نیز چونکہ اسٹیٹ خود روحِ عالم یا روحِ کل کا مظہر ہے اس لئے وہ خود تمام اخلاق کا سرچشمہ ہے اس لئے وہ ان معیارات، اخلاقی اصول اور حدود کا پابند نہیں ہے جن کا وہ خود خالق ہے۔ اسٹیٹ خود "خیر کل" ہے۔۔۔ اسٹیٹ خود روحِ اخلاق ہے۔ اس لئے تمام اصولِ اخلاق سے بالاتر ہے۔۔۔"

فسطائیت، کلیت، امپریل ازم

حضرات!

موجودہ فسطائیت اور نازیت، جن کو مذہب کلیت (TOTALI-TARIANISM) کے نام سے بھی نامزد کرتے ہیں، دراصل اسی نیشنل ازم کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ انیسویں صدی نیشنل ازم کی صدی تھی، اور یہ بیسویں صدی "قومی فسطائیت" و "قومی اشتراکیت" اور "قومی جمہوریت" کی آویزش کی صدی ہے۔ جس طرح ان تینوں میں قومیت پرستی کا عنصر مشترک ہے اسی طرح، امپریل ازم یعنی شہنشاہیت پسندی اور سامراج کا عنصر بھی مشترک ہے۔

نیشنل ازم کی تاریخ کا سب سے نمایاں سبق یہ ہے کہ نیشنل ازم، بلوغ و فروغ پانے کے بعد بہت جلد امپریل ازم کی صورت اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے یورپ اور امریکہ کی کونسی قومیت ہے جو داخلاً

و خارجًا سامراجی مزاج سے متخلق نہیں ہوئی ہے یا کسی نوآبادسامراج کی مالک نہیں رہی ہے

نازیت اور فسطائیت یعنی قومیت پرستی کا جدید ترین مذہب

فلارنساوی میکیاویلی مصنف "کتاب الملوک" کے اس عقیدہ پر مبنی ہے کہ نیشن
اسٹیٹ (قومی سلطنت) "خیر اکبر" "خیر کل" اور "خیر مطلق" ہے اسلئے ہر دوسری
نیکی، ہر دوسرے اصول، حتی کہ مذہب، اخلاق، انسانیت اور حق و عدالت،
سب کو اس کے فائدے کے لئے قربان کیا جا سکتا ہے۔ اس عقیدہ کے مطابق
اسٹیٹ کا مقصد، ہر ذریعہ کو جائز قرار دیتا ہے۔ انسان سلطنت کے لئے
ہے نہ کہ سلطنت انسان کے لئے۔ نیشن اسٹیٹ غلطی کر ہی نہیں سکتی کیونکہ
نہ صرف وہ معصوم من الخطا ہے، بلکہ جائز و ناجائز، خیر و شر کے تمام اصول
و قدور کا خود اسٹیٹ بانی، سرچشمہ اور خالق ہے۔ اسٹیٹ ایک فلاطونی
وحدت ہے جس میں کسی دوسری جماعت کے آزادانہ وجود کا کوئی گذر نہیں
ہے۔ قومی اسٹیٹ کو حق حاصل ہے کہ جس شخص اور جس جماعت کو
دیکھے کہ اس کی غیر مشروط اطاعت اور مطلق وفاداری میں ذرہ بھر تامل ہے
اس کو فنا کر دے، اور ہر ذریعہ جو وہ اس کو فنا کرنے کے لئے استعمال کریگا
نہ صرف جائز ہوگا بلکہ عین حق، عین اخلاق اور عین عدالت شمار ہوگا

(١) اپنی قومیت اور نسل کو سب سے برتر و افضل ماننے اور سب پر
غالب و حاوی کر دینے کا عقیدہ۔ (٢) قومی اسٹیٹ کی حاکمیت
مطلق کا عقیدہ (٣) قومی اسٹیٹ کی ہمہ گیریت کا عقیدہ کلیت (٤) قومی
اسٹیٹ کے قاید کی شخصی آمریت کی تائید اور جمہوریت کی تردید کا عقیدہ
(٥) سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی حمایت اور اشتراکیت کی مخالفت
اور محنت و سرمایہ دونوں کو اسٹیٹ کیپٹل ازم کے تابع کر دینے کا عقیدہ۔

اور (۶) قومی اسٹیٹ کی عصمت، یعنی، معصوم عن الخطا اور خیر تمام، خیرِ کُل، اور واجب الوجود ہونے کا عقیدہ، فسطائیت کے اصول ہیں۔ اس سے ظاہر و باہر ہے کہ فسطائیت حقیقت میں نیشنل ازم کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے۔

جدید قومیت کی ارتقا اور مذہب کی تدریج مغلوبیّت

جدید قومیت پرستی کی نشو و ارتقا کی تاریخ نا مکمل ہو گی اگر یورپ میں مذہب کی پوزیشن اور نیشنل ازم کی ترقی کے ساتھ چرچ کی پوزیشن میں انقلاب کا ذکر نہ کیا جائے۔ اور یہ نہ دکھایا جائے کہ یورپ میں دین کی موجودہ حیثیت کیا ہے۔ اس لحاظ سے یورپ کی تاریخ تمدن و سیاست کے مندرجہ ذیل دور گذرے ہیں:۔

(۱) عہدِ یونانِ قدیم

(۲) عہدِ رومِ قدیم

(۳) عہدِ مشرقی رومی سلطنت، بربریت اور عیسائی رہبانیت۔

(۴) عہدِ وُسطیٰ۔ مقدس رومی پاپائیت اور مقدس رُومی امپراطوریت

(۵) عہدِ احیاءِ عُلوم و فنونِ قدیم۔ حرُوبِ صلیبی۔ علوم عربیہ کی ترویج۔

(۶) عہدِ اصلاحات۔ عالمگیر رومن چرچ کے خلاف لوتھر کی بغاوت۔

(۷) عہدِ انقلابِ فرانس

(۸) عہدِ نیشنل ازم۔

(۹) عہدِ فسطائیت

(۱) عہد یونان قدیم

یونان قدیم' مظاہر پرستی' اور فطرت پرستی کے مذہب جمالیات کا پیرو تھا۔ لاتعداد دیوی اور دیوتاؤں پر اعتقاد رکھتا تھا۔ ہر خیال اور ہر فکر اور ہر چیز کے لئے یونانیوں نے ایک دیوی اور دیوتا فرض کر رکھا تھا۔ جن کی حسین و جمیل مورتیں' بنا کر یونانی پوجتے تھے۔ اس مذہب کا' یونان کی سیاست پر مطلق کوئی اثر نہیں تھا۔ یونان آزاد شہری ریاستوں کا ملک تھا۔ ہر شہر ایک آزاد سلطنت تھا جس کی حاکمیت' ہر سیاسی و معاشی' تمدنی و معاشرتی اور مذہبی و دینی' روحانی و اخلاقی' امر پر حاوی تھی۔ مثلاً اسپارٹا اور ایتھنز کی شہری ریاستوں کو مکمل اختیار تھا کہ وہ اپنی سلطنت کے مذہب و اخلاق' کے متعلق قوانین پاس کریں۔

یونان قدیم کے فلسفہ' خصوصاً افلاطون یونانی کے فلسفہ میں روح و مادہ کی ثنویت کا عقیدہ راسخ ہو چکا تھا۔ اور یہی عقیدہ آگے چل کر یورپ کے سارے مذہب اور سیاست کا بنیادی عقیدہ بننے والا تھا۔

یونان قدیم میں' فرد' ریاست کے لئے تھا اور ریاست کا وجود فرد کی فطری زندگی کے لئے لازمی تھا۔ مذہب' اسٹیٹ کے تابع تھا۔

(۲) عہد روم قدیم

روم قدیم کا مذہب' یونان قدیم کے مذہب سے بھی پست تر تھا۔ رومی عموماً' دیوی دیوتاؤں کو پوجتے تھے۔ لیکن اُن کی انفرادی و سیاسی زندگی کے بنیادی اصول دو تھے:۔

(i) لذات و شہوات حیوانی کی تسکین اور۔

(ii) طاقت و امارت سیاسی کا حصول و قیام۔

قدیم یونان و روم، حقیقی مذہب سے نا آشنا تھے۔ اُن کے دیوی دیوتاؤں کا اُن کی حقیقی، سیاسی و اخلاقی زندگی پر کوئی اثر نہیں تھا۔ اُن کے دیوی دیوتا، اُن کے بعض سوشیل رسوم کے لئے تھے۔ یونانیوں اور رومیوں کو ایک ایسے خدائے حکیم، قادر و رحمٰن و عادل پر، ایمان نہیں تھا، جو تمام آسمانوں اور زمینوں اور ساری کائنات پر اپنی حکمت، رحمت اور عدالت سے حاوی و غالب ہے اور جو کائنات کو ایک خاص اور عظیم الشان قانونِ اخلاق کے مطابق چلا رہا ہے۔ لہذا یونانیوں اور رومیوں کے نزدیک کسی کائناتی ربانی نظامِ اخلاق، و نظامِ سیاست کا کوئی تصور نہیں تھا۔ وہ دراصل ایک طرح کی مادیت کا مذہب رکھتے تھے۔ اور اپنے شہر، اپنے تمدن اور اپنی سلطنت کی برتری اور وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ اُن کی سلطنتیں، (SLAVE STATES) یعنی غلامی کی سلطنتیں تھیں، جن کی بنیاد عام رعایا اور تمام اہل محنت و حرفت کی بدنی و روحانی غلامی پر مبنی تھی۔ وُہ اپنے سوا، ساری دنیا کو "باربیرین" یعنی "وحشی" کہتے تھے۔

(۳) عہدِ مشرقی رومی سلطنت، بربریت اور عیسائی رہبانیت

سلطنت رُوما، بالآخر یورپ پر بربری اور وحشی اقوام و قبائل کے سیل رواں کی زد میں آکر تباہ ہوئی۔ قسطنطنیہ کی بازنیطنی سلطنت مشرقی رومی سلطنت کے نام سے رہ گئی۔ عیسائیت کا یہ دورِ اول تھا۔ سینٹ پال نامی یونانی نے عیسائی چرچ کی موجودہ ہیئت اور عقائد کی بنیاد رکھی، بربریت سے یورپ کی تباہی کے دور میں عیسائی رہبانیت کی ایمان و اخلاق و اخوت، کی تعلیم عام مظلوم لوگوں اور غلاموں میں بہت مقبول

ہو رہی تھی۔ رومی سلطنت کی تمام قہرمانیت اور زیادتی، عیسائیت کی تبلیغ کو نہیں روک سکی۔ عیسائیت بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ قسطنطنین، شہنشاہ بازنطیم (استنبول) نے مصلحتاً عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ اور سلطنت کی طاقت وسیاست، اس کی عام اشاعت میں صرف کردیا۔ لیکن عیسائی چرچ کو رومی سلطنت کی لونڈی بھی بنالیا۔

عیسائیت اپنے دور اول میں مفلوک ومظلوم طبقاتِ ادنیٰ کا ایک روحانی مذہب اور تصوف کی طریقت تھی۔ رہبانیت اور ترکِ دنیا اس کی روح تھی۔ عیسائی دنیا میں رہتے تھے، لیکن اس دنیا کے نہیں تھے۔ اور اس دنیا کے لئے نہیں تھے۔ سوسائٹی، سیاست، قانون، سلطنت، دولت ونظام عمرانیات سے عیسائیت کو بحیثیت مذہب کوئی واسطہ نہیں تھا۔ وہ ان امور متعلق بالکل خاموش تھی۔

اس عہد کی عیسائیت نے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک مفروضہ قول کو اپنی سیاسی تعلیم کا اصل اصول قرار دیا۔ قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ "جو خدا کا ہے وہ خدا کو دیدو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دے دو"۔ یعنی روحانی ودینی معاملات میں خدا کی حاکمیت کو مانو اور دنیاوی وسیاسی معاملات میں قیصر کی سلطنت کی حاکمیت کو مانو۔

اس عہد میں یورپ ومشرق قریب میں عیسائی چرچ، رومی سلطنت کی حمایت میں بکثرت قائم ہونے لگی۔ رُوم میں پاپائے رُوم کی عظیم الشان چرچ قائم ہوئی۔ پوپ دنیائے عیسائیت کا اسقف اعظم تسلیم کیا گیا۔

یورپ میں عیسائی رہبانیت کی، مشرقی رومی سلطنت کے زیر حمایت، اشاعت کا سب سے بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ افلاطونی مذہب ثنویت (کائنات میں دو طاقتوں کی حکمرانی) کا عقیدہ راسخ ہوگیا۔ روح ومادہ، نور وظلمت، اہرمن ویزدان، قیصر اور خدا، اور پوپ اور امپراطور اور چرچ اور اسٹیٹ کی

جنگ کی بنیاد ڈالدی گئی۔

(۴) عہدِ وسطی۔ مقدس رومی پاپائیت اور مقدس رومی امپراطوریت

شارلیمان، شہنشاہِ فرانس ومغربی یورپ، جب تخت نشین ہوا، تو اُس کی تاجپوشی کی رسم، پاپائے روم نے ادا کی۔ یہاں سے پاپائے روم کی سیاسی سیادت کا آغاز ہوا۔ پاپائے روم، حضرت مسیح کا خلیفہ اور جانشین قرار پایا۔ اور عیسائی بادشاہ اور اُمراسے مختلف قسم کے محصولات اور نذرانے وصول کرنے لگا اور رفتہ رفتہ اپنی دولت وامارت اور جاگیرات وسیاسی ومذہبی اثرات کی کثرت کے باعث خود ایک زبردست فیوڈل لارڈ بن گیا۔

مجوسی وفلاطونی ثنویت کی بنیاد پر یورپ میں دو طاقتوں کا ظہور ہوا۔ **مُقدّس رومی پاپائیت** اور **مقدس رومی امپراطوریت** شارلیمان کی اولاد واخلاف جو اُس کی سلطنت کے وارث ہوئے پوپ کے خطاب کے مطابق "مقدس رومی امپراطور" کہلانے لگے، اور پوپ، جو روم کی عالمگیر چرچ کا پیشوائے اعظم تھا، "مقدس رومی پوپ" کہلانے لگا۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ نام کے "مقدس" مناصب تھے۔ حقیقت میں یہ دونوں، فیوڈل ازم کے زمانے کی دو بڑی سیاسی طاقتیں تھیں۔ ایک سیاست کا نمائندہ تھا، اور ایک مذہب کا۔

یورپ کا عہدِ وسطیٰ، جس کو عہدِ مُظلِمہ بھی کہتے ہیں انھیں دو مقدس طاقتوں کی آویزش اور جنگ کا زمانہ ہے۔

چرچ اور اسٹیٹ کی دو جداگانہ طاقتوں کی بنیاد، ہی دراصل اس طویل اور تباہ کن جنگ کی بنیاد تھی۔ عہد وسطیٰ کو تاریک اسلئے کہتے ہیں کہ یہ عام جاہلیت اور اوہام وخرافات کا زمانہ تھا۔ عیسائی چرچ، علم وفن

اور آزادی و عقل کے خلاف تھی - انتہائی اسُتبِدَاد کا دور دورہ تھا فساد اخلاق، اور سوشیل ذمائم یورپ کو گھن کی طرح لگ چکے تھے - کثافت، تقویٰ کی نشانی، رُہبانیت و تجرد، دینداری کا معراج، اور جہالت، سعادت و مسرت ابدی کی راہ مانی جاتی تھی -

(۵) عہد احیا رعلوم وفنون - حرُوب صلیبی - علوم عربیہ کی ترویج

بالآخر یورپ میں آفتاب اسلام طلوع ہوا - اندلس سے عربی علوم و فنون کی روشنی ممالک یورپ میں پھیلی - یونانی علوم وفنون اور حکمت، عربی ترجموں کے ساتھ، یورپ میں دوبارہ پہونچی - عربوں نے منطق استقرائی یعنی مشاہدات و تجربات کی بنیاد پر، مخصوص احوال کی تحقیقات سے عام کلیات اخذ کرنے کے طریقے کو جاری کیا - اور یہ معلوم ہے کہ موجودہ سائنس اسی منطق استقرائی، یعنی طریقہ مشاہدات و اختبارات پر مبنی ہے - اسپین کی عربی یونیورسٹیوں نے یورپ کی تاریکی میں علم اور سائنس اور آزاد خیالی کی روشنی پھیلائی - قرآن کا لاطینی میں ترجمہ شایع ہوا، ہزاروں عیسائی علمار نے عربوں سے تکمیل علم کیا - حروب صلیبی سے بھی یہ فائدہ ہوا کہ یورپ مسلمانوں کے علوم وفنوں سے آگاہ ہوا - قسطنطنیہ پر سلطان محمد ثانی کا فاتحانہ قبضہ مشرقی رومی سلطنت کی تباہی اور یورپ میں اسلام کا مشرقی دروازے سے یلغار کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی توحید کی آواز یورپ میں بلند ہوئی، اور یونانی عالموں اور فاضلوں کا جتھہ قسطنطنیہ سے ویران ہوکر یورپ میں پھیل گیا اور بطور ذریعہ معاش یونانی زبان و علوم کی تعلیم شروع کیا -

ان سب موثرات کا مجموعی اثر اُس تحریک کی صورت میں نمودار ہوا جسکو "ریناسنس (RENAISSANCE) یعنی "نشارۃ الجدیدۃ" یا "دوسری

پیدائش" کہتے ہیں اسی کا دوسرا نام احیاء علوم و فنون ہے۔ اس کا مطلب قدیم یونانی علوم، فلسفہ، فنون، اور جمالیات کا یورپ میں عہد تاریک کی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور سائنس اور علمی تحقیق و تنقید کے دور کا شروع ہونا ہے۔

عیسائیت کی رہبانیت نے گویا یورپ کو چند صدیوں تک افیون کھلا کر تاریک رات میں سلا دیا تھا عربی علوم اور ترکی فتوحات نے اس کو اس خواب سے بیدار کیا، اور تجدید علوم نے اس کو دوبارہ اس کی وراثت اصلی یعنی قدیم یونانیت۔ اور قدیم رومانیت ——— کی بنیاد پر قائم کر دیا۔ آج حقیقت میں یورپ کی زندگی کی بنیاد وہی قدیم یونانیت اور رومانیت کی مادیت ہے اور بس۔ نشاۃ الثانی، حقیقت میں یونانی و رومی یورپ کی دوسری پیدائش، کے سوا، اور کچھ نہیں تھی۔ اس نے یورپ کو اس کی اصل و اساس، منبع و سرچشمہ حیات تک پہنچا دیا ہے۔

(۶) عہد اصلاحات۔ لوتھر کی بغاوت۔ عالمگیر رومن چرچ کی بربادی

یونانی و رومی دور کی نشاۃ التجدید، نے، رومن کیتھولک چرچ، یعنی روم کی عالمگیر عیسائی چرچ کے خلاف تنقید کی روح کو۔ بہت تیز کر دیا۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے رومن پوپ خود دنیاوی بادشاہ کی استبدادیت کے علمبردار تھے۔ طرح طرح کے فساد اخلاق میں مبتلا تھے۔ بالآخر جرمنی سے مارٹن لوتھر نے رومن چرچ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ لوتھر نے پوپ کی (۱) معصومیت کے دعویٰ (۲) حضرت مسیح کے خلیفہ ہونے کے دعویٰ (۳) سیاسی حکومت و ریاست کے دعویٰ کو باطل قرار دیا، اور ان بدعات کے خلاف پروٹسٹ (احتجاج) کیا جس سے رومن کیتھولک چرچ کے مقابلے میں پروٹسٹنٹ چرچ کا فرقہ پیدا ہوا۔

واضح ہو کہ لوتھر کی بغاوت کے پہلے، سارا یورپ اور عیسائی دنیا کا بہت بڑا حصہ پاپائے روم کے زیر فرمان، عالمگیر رومن چرچ کے ماتحت، ایک عالمگیر ملت اور عالمگیر روحانی برادری کی حیثیت سے منظم تھی یورپ کے ہر ملک، جرمنی فرانس، اسپین، سویڈن، دنمارک، ہالینڈ، اسٹریا ہنگری، اسکاٹ لینڈ، آئرلینڈ اور انگلستان، وغیرہ میں، رومش چرچ، اور رومی پوادر کے ادارات مستحکم تھے، جن کا کام، عیسائی دنیا کے خلیفۂ اعظم، پوپ کے ماتحت، دین عیسوی کی تبلیغ و تنظیم تھا۔ حقیقتاً یورپ میں عیسائیت کی تبلیغ رومن چرچ کے ذریعہ ہوئی تھی۔

جس وقت لوتھر نے، رومن چرچ اور رومی پاپائیت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اُس وقت یورپ کے پادشاہوں نے فیوڈل جاگیرداروں کی طوائف الملوکی کے خلاف تحریک مرکزیت یعنی مضبوط مرکزی حکومت قائم کرنیکی تحریک جاری کر رکھی تھی۔ یہ مطلق العنانیت پسند پادشاہ خود مدت سے رومن پوپ اور پوادر کی طاقت کو اپنا حریف خیال کر رہے تھے۔ لہذا اُنھوں نے لوتھر کی تحریک اصلاح کو اپنی سیاسی غرض کے لئے مفید جانتے ہوئے لبیک کہا۔ عیسائی دنیا جو اب تک ایک عالمگیر چرچ کے ماتحت منظم تھی، متعدد مذہبی فرقوں میں منقسم ہو گئی۔ انگلستان اسکاٹ لینڈ، ہالینڈ، سویڈن، دنمارک اور جرمنی کی بہت سی ریاستوں نے رومن چرچ کی غلامی کا حلقہ اتار پھینکا۔

ایک عالمگیر عیسائی چرچ صدہا مختلف قومی چرچوں میں تقسیم ہو گئی

پادشاہوں نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اور ہر طرح کے خارجی حدود و قیود سے آزادی حاصل کر کے، اپنے آپ کو بالکل مطلق العنان بنا لیا۔ انگلستان، جیسے پروٹسٹنٹ ملکوں کے پادشاہوں نے اپنے آپ کو (۱) قومی اسٹیٹ اور (۲) قومی چرچ، دونوں کے مقتدر مطلق ہونیکا اعلان کیا۔

اور "عالمگیر" عیسائیت کے خرابہ پر ایک "نئی قومی" عیسائیت اور "عالمگیر" رومن چرچ کے کھنڈر پر ایک "نئی قومی" چرچ، اپنے سیاسی مفاد کے لئے تعمیر کیا۔ بادشاہوں نے قومی عیسائیت کے لئے، بائبل کا لاطینی سے قومی زبانوں میں ترجمہ کرایا۔ بلکہ قومی زبانوں میں خطبہ، دعا اور نماز جاری کرایا۔ اس سے، بھی آگے مختلف قومی چرچوں کے مختلف اصول، و قواعد و عقائد کو مختلف اسٹیٹوں نے، خاص قوانین و فرامین شاہی کے ذریعہ نافذ کیا، اور دفعات قانون کی شکل میں دفعات ایمان کو وضع کرکے، نافذ کیا گیا گویا دین و مذہب بھی کوئی انسانی صنعت تھی، جس کو اسٹیٹ وضع کر رہی تھی۔ ان وضعی عقائد کی بنیاد پر بڑی بڑی خونریز جنگیں برپا ہوئیں۔ ہولناک اور وحشیانہ مظالم توڑے گئے۔ انسانوں کو زندہ جلایا گیا، شہروں کو خاکستر اور ملکوں کو خاک و خون میں غلطاں کیا گیا۔

خود داعی اصلاح لوتھر نے پوپ کی مخالفت اور بادشاہوں کی مطلق العنان حکومت کی تائید کی تھی۔ دور اصلاحات کی ہولناک، طویل اور تباہ کن وحشیانہ مذہبی جنگوں کا آخری انجام ۱۶۶۶ء کی مصالحت پر ہوا، جس نے سارے یورپ کے لئے یہ اصول طے کر دیا کہ

"دین الملوک دین الاقوام"

یعنی ہر اسٹیٹ اور ہر سلطنت کی رعایا کو چاہیئے کہ اپنے بادشاہ کے مذہب کو اختیار کرے یعنی دین دولت کی فرمانبردار لونڈی ہو نہ کہ، دولت، دین کی فرمانبردار لونڈی ہو ــ مذہب، سلطنت کی سیاست کا تابع ہو، لیکن سلطنت مذہب کی عالمگیر و ابدی، آسمانی اصول اور مشین کی تابع نہ ہو ــ

اس اصول کے مطابق، عالمگیر عیسائیت اور عالمگیر چرچ کا خاتمہ ہوگیا اور ہر ملک نے اپنی اپنی جداگانہ طبیعت و ضرورت کے مطابق، اپنا قومی مذہبی نظام قائم کیا۔ ایک عالمگیر رومن چرچ کی جگہ اینگلیکن چرچ، جرمن چرچ، کالوینسٹ چرچ اور کتنے چرچ بن گئے۔ عالمگیر رومن چرچ کے نظام کی شکست و ریخت کے بعد سوسائٹی نئے روحانی و تہذیبی اساسات کی محتاج ہوگئی۔ جس کو صرف قرآن کی حقیقی، عالمگیر، جمہوری دین الٰہی و دین فطرت و دین قیّم ہی مہیا کرسکتا تھا، لیکن۔ یہ مہیا نہیں کیا گیا نتیجہ یورپ کی موجودہ ملحدانہ و دہریانہ قومی آنارکی۔ کی صورت میں ظاہر ہوا۔

(۷) عہد انقلاب فرانس

عہد انقلاب فرانس، میں مذہب پر ایک دوسری قسم کا دور گذرا۔ عیسائیت نے مطلق العنان پادشاہوں کا ساتھ دیا تھا "دین الملوک دین الاقوام" کے اصول کے مطابق یورپ کی تعمیر جدید کا یہ نتیجہ ہوا تھا کہ مختار مطلق پادشاہوں کو مجاز کیا گیا کہ وہ اپنی اپنی پادشاہتوں میں اپنا مذہب اور اپنا چرچ جاری کریں۔

لہذا جب انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء) پادشاہوں کی مطلق العنانیت کے خلاف جاری ہوا، تو انقلابیوں نے چرچ، اور مذہب کو بالکل منسوخ کردیا، اور خدا کی جگہ "عقل کی دیوی" کی پرستش کا اعلان کیا۔

(۸) عہد قومیت پرستی

انقلاب فرانس کا منفی مذہب بہت دور تک نہیں چل سکتا تھا۔ انقلاب فرانس، اور نپولین کی جنگوں نے، ہولی رومن ایمپائر (مقدس رومی سلطنت) کا خاتمہ کردیا اور تمام مطلق العنان پادشاہوں کو ہلا دیا۔ پادشاہوں کے زیر سایہ جدید قومیت نشو ونما پارہی تھی، انقلاب فرانس کے بعد جدید قومیت سے نے تو

حکومت و حاکمیت کو بادشاہوں کی ملکیت سے نکالکر، قومی ملکیت قرار دیا۔
اور پارلیمنٹوں کا دور شروع ہوا

اٹھارہویں صدی کا یہ دور موجودہ نیشنل ازم کی ترقی کا دور ہے۔
اس عرصہ میں نیشنل ازم نے وہ طاقت حاصل کرلی جو کبھی مذہب کو حاصل
تھی، بلکہ "قومی سلطنت" کے ساتھ وابستہ ہوکر قومیت پرستی مذہب سے بھی،
زیادہ طاقت ور ہوگئی، کیونکہ چرچ کو یورپ میں کبھی وہ طاقت حاصل نہیں ہوئی
جو آج قومی اسٹیٹ کو حاصل ہے۔

آج قومیت پرستی خود ایک مستقل مذہب بن چکی ہے۔ اور اصل
مذہب کی جگہ لے چکی ہے، جس کی تفصیل ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔

اگر آپ غور فرمائیں تو یورپ آج اپنے یونانی و رومانی اساسات
مادیت پر عود کر آیا ہے۔ عیسائیت، یورپ کے مرض مادیت پرستی اور تنظیم
اجتماعی، و عدالت معاشی، کے مسائل کے حل کرنے میں بالکل ناکام ہو چکی ہے۔
کیونکہ وہ کبھی صاحب شریعت مذہب نہیں تھی، اور سیاسیات، معاشیات، مالیات
وعمرانیات واجتماعیات کے مسائل سے ایک دنیا بیزار رہبانی مذہب انفرادیت
کو کیا علاقہ ہو سکتا ہے۔

(۹) عہد فسطائیت

گذشتہ جنگ عظیم، نیشنل ازم کی جنگ تھی۔ اس جنگ عظیم کے بعد
یورپ میں، نیشنل ازم کی ترقی و تشدید کا ایک دوسرا دور شروع ہوا، جس کو
اگر دور فسطائیت کہا جائے تو درست ہوگا۔ فسطائیت کا بنیادی خیال قومی اسٹیٹ
کی محیط کل حاکمیت اور مطلق آمریت ہے۔ اسی مذہب کلیت کو اٹلی نے مسولینی
کے ماتحت، جرمنی نے ہٹلر کے ماتحت، روس نے اسٹالن کے ماتحت اور

اسپین نے فرانکو کے ماتحت، اختیار کر رکھا ہے۔ اس جدید قسم کی قومیت نے (۱) سوشل ازم اور (۲) کمیون ازم کو بھی جو اپنے خیال و عقیدہ میں بین الاقوامی (انٹرنیشنل INTERNATIONAL) عمرانی مذاہب تھے، اب بالکل "قومی" اور وطنی مذہب بنا دیا ہے۔ اور مذہب کو، قریب قریب بالکل ختم کر دیا ہے۔ روس کی اشتراکیت اب روسی نیشنل ازم کی بھی نمائندہ ہے۔ روس میں مذہب کا خاتمہ کیا جا چکا ہے۔ مسجدوں اور چرچوں کو تھیٹرز اور سنیما ہال میں تبدیل کیا جا چکا ہے۔ ہزاروں علمائے اسلام تہ تیغ کیے جا چکے ہیں، ہزاروں عیسائی پادری ذبح کیے جا چکے ہیں۔ قرآن، بائبل، احادیث، مذہبی کتب کی طباعت و اشاعت بالکل ممنوع ہے۔ مذہبی کتابوں اور مقدس صحیفوں کی لاکھوں جلدیں، جلائی جا چکی ہیں۔ خدا کا نام لینا، اور مذہب کی تبلیغ کرنا سراسر حرام ہو چکا ہے۔

جرمنی کی "نیشنل سوشیل ازم" (جس کو اجمالاً نازی ازم) کہتے ہیں، علانیہ، عیسائیت اور چرچ کی جڑ اور بنیاد اکھاڑنے اور اس کے کھنڈر پر ایک ٹیوٹن PAGANISM یعنی قدیم بت پرستی و مظاہر پرستی کے مذہب کو جاری کرنے میں مصروف ہے۔ ہزاروں عیسائی پادریوں کو گرفتار کر کے قتل کیا جا چکا ہے ایمان و عقیدہ، اور فکر و خیال کی آزادی کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ جرمنی کی نئی بت پرستی میں، سب سے بڑا بت جرمن فادرلینڈ (وطن) اور جرمن ریش (سلطنت) اور جرمن نسل و قومیت ہے۔

اٹلی کی فسطائیت، جس طرح، غریب رومن پوپ اور چرچ پر پوری طرح حاوی اور مسلط ہو چکی ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ رومن چرچ موجودہ جنگ کے بالکل خلاف ہے اور جرمنی کو ظالم یقین کرتی ہے اور تمام کیتھولک

دنیا، اور عیسائی دنیا کو دعوت دیتی رہی ہے کہ وہ نازیوں کے ظالمانہ حملوں کا مقابلہ کریں، لیکن، رُومن چرچ اور پاپائیت کی بے بسی کا یہ افسوسناک عالم ہے کہ وہ خود روم اور اٹلی کے کیتھولک حلقہ بگوشوں کو بھی اپنے ساتھ نہیں لا سکی اور رومن کیتھولک اٹلی، آج جرمنی کے خلاف نہیں بلکہ جرمنی کی حمایت میں جنگ کر رہی ہے۔ اور رومن پوپ اپنے ''ویٹی کن سٹی'' میں عملاً نظربند پڑا ہے اور پوپ کا سرکاری اخبار ایک لفظ فسطائیت یا نازیت کے خلاف نہیں لکھ سکتا ہے۔

یہ ہے حال یورپ کی زمین وطنیت و قومیت میں اللہ اور مذہب کے نام لینے والوں کا۔ مذہب آج جتنا مظلوم، ومقہور، اور مغلوب مغربی نیشنل ازم کے ماتحت ہے انسانی تاریخ کے کسی دور میں نہیں تھا۔

جاپانی نیشنل ازم نے، جاپان کے قدیم مذہب شنٹو ازم کو ملک پرستی اور بادشاہ پرستی میں تبدیل کر دیا ہے۔ فی الحقیقت ایک جاپانی کا اس وقت نہ گوتم بدھ پر اعتقاد ہے اور نہ اس کے بدھ مت پر ایمان ہے۔ اس کا مذہب، جاپان کی پوجا اور جاپانی شہنشاہ کی پرستش ہے اور جاپانی شہنشاہ، دراصل جاپانی قومیت کا ایک نشان ہے۔

آں چناں قطعِ اُخوت کردہ اند ؂ بر وطن تعمیرِ ملّت کردہ اند
تا سیاست، مسندِ مذہب گرفت ؂ ایں شجر در گلشنِ مغرب گرفت
دہریت چوں جامۂ مذہب درید ؂ مُرسلے از حضرتِ شیطاں رسید
آں کلاہ نسا وی باطل پرست ؂ سرمۂ او دیدۂ مردم شکست
مملکت را دین او معبود ساخت
فکرِ او مذموم را محمود ساخت

نیشنلزم

اسلام اور ہندوستان

برادران اسلام!

اب اجمالاً غور فرمائیے کہ کیا کوئی قائل کلمۂ توحید، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایک لمحہ کے لئے نیشنلزم کے اس کفر جدید کا روادار ہو سکتا ہے۔ ہندوستان میں جو لوگ یورپ کی اس جدیدیت پرستی کو درآمد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ان کے دلوں میں دراصل ہندوازم کو ہندوستان کی قومی تہذیب کی صورت میں احیا کرنے کی خواہش کارفرما ہے اور وہ اس ملک میں ہندو فسطائیت قائم کر کے تمام دوسری ملتوں اور جماعتوں کو فنا کر دینا چاہتے ہیں اور وہ ہندو سامراج کا خواب دیکھ رہے ہیں۔

آل انڈیا کمیونل آوارڈ کانفرنس دہلی مارچ ۱۹۳۵ء کے خطبۂ صدارت میں، میں نے یہ واضح کر دیا تھا کہ کانگریس دراصل ہندو فسطائیت کی نمائندہ بننے والی ہے۔ ۱۹۳۶ء میں دوبارہ میں نے ایک بیان میں اس خطرے سے ملک کو خبردار کیا تھا۔ کانگریسی وزارتوں کے بعد اگست ۱۹۳۷ء میں تیسری دفعہ میں نے اس خطرے سے ملت کو اس محضر کے ذریعہ آگاہ کیا تھا جو مسلمانان کلکتہ کی طرف سے، آنریبل مسٹر فضل الحق کو پیش کیا گیا تھا۔ ستمبر ۱۹۳۷ء میں چوتھی دفعہ کلکتہ مسلم لیگ کانفرنس کے

جلسے میں، میں نے یہ حقیقت پوری صفائی سے واشگاف کی تھی۔

خدا کا شکر ہے کہ کانگریسی دورِ حکومت نے اپنے طرزِ عمل سے میرے بیانات کو خود روزِ روشن کی طرح صاف اور ثابت کر دیا، حتیٰ کہ مدراس یونیورسٹی کے ایک ہندو پروفیسر سیاسیات اور فیڈرل کورٹ کے سابق جج مسٹر ایم، آر، جیکار، رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو، سر چمن لال سیتلواڈ، سر سی پی راما سوامی آئیر، رائٹ آنریبل سری نواس شاستری، اور مسٹر سری نواس آئنگر سابق صدر کانگریس جیسے بلند مرتبہ ہند سیاسیین کو اپنے بیانات میں یہ ماننا پڑا کہ کانگریس فسطائیت کی راہ پر گامزن ہے۔ مسٹر رفیع احمد قدوائی کا یہ بیان کہ کانگریس فسطائی گرینڈ کاؤنسل بنتی جا رہی ہے اس حقیقت کا اعتراف ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کا یہ بیان کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی غلطی کر ہی نہیں سکتی ہے اور ملک میں کانگریس کے سوا اور کوئی ملکی پارٹی نہیں ہے دراصل اسی فسطائی ذہنیت کا ثبوت ہے۔

جسٹس پارٹی اور لبرل پارٹی نے بھی علانیہ اس خطرے کا اعتراف کیا ہے اور کانگریس کی فسطائی ذہنیت کی مذمت کی ہے۔ آج نریمان اور کھارے کے علاوہ صدہا کانگریسی اور ہندو خود اس خطرہ کی حقیقت کو تسلیم کر رہے ہیں، اور جو آواز میں نے ۱۹۳۵ء میں دہلی سے بلند کی تھی آج اس کی حرف بحرف تصدیق ہو رہی ہے۔

حضرات!

اگر ہندوستان ایک قومیت متحدہ بھی ہوتا، تو بھی، اس کے اندر یورپ کی مردود قومیت پرستی کی بنیاد پر، سلطنت سازی کی کوشش ناحق کوشی ہوتی بلکہ اس ملک کے ساتھ بدترین دشمنی کے برابر ہوتی۔ لیکن

جب کہ یہ حقیقت معلوم و مسلّم ہے کہ ہندوستان نہ کبھی ایک قومیت تھا، نہ ہے اور نہ ہونے کے قابل ہے، تو اس براعظم پر، یورپ کی وحدانی قومیتوں کے، نظام کو تھوپنا، بدترین قسم کی جہالت، خطرناک ترین حماقت اور مردود ترین خود غرضی ہے۔ کیونکہ اس کا عملی مطلب، ہندو اکثریت کی فسطائیت اور سامراج کا قائم کرنا اور تمام اقوام ہند کو ان پر قربان کرنا ہے۔

جو حضرات، انتہائی سادگی سے فرماتے ہیں کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں وہ جدید قومیت کی ماہیت اور اس کی سیاسی حقیقت سے بے خبری کا ثبوت دیتے ہیں۔ "قومیت" کوئی میکانیکل چیز نہیں ہے کہ محض ایک خاص ملک یا جغرافی قطعِ زمین میں کچھ لوگوں کی یکجائی سے خود بخود وجود میں آجاتی ہی نہیں، بلکہ قومیت ایک خاص قسم کی کلچرل، نفسیاتی اور روحانی حقیقت ہے، جو خاص حالات کے ماتحت کسی گروہ میں صدیوں میں رفتہ رفتہ تکوین پاتی ہے اور ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ قومیت اپنے نظریہ اور عمل کے لحاظ سے، انسانی زندگی میں مذہب کی جگہ لے چکی ہے۔ اور نیشن اسٹیٹ، اس جدید مذہب قومیت پرستی کا معبود اور خدائے مطلق بن چکا ہے۔

ہندوستان میں نیشنل ازم کا مسئلہ، دراصل، وقت کا اہم ترین مسئلہ ہے، یہ نہ صرف ہندوستان کی قسمت کا مسئلہ ہے بلکہ مسلمانانِ ہند کی قومی تقدیر اور آئندہ ہستی و نیستی کا مسئلہ ہے۔ پس ضرور ہے کہ ہمارے علما اور طلباء اور نوجوانانِ ملت، اس کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح غور فرمائیں اور اس تعلق میں، کامل تدبر، کامل یقین اور کامل عزم کے ساتھ اپنی راہ عمل طے کریں۔

قومیت، قومیت پرستی، اور قومی اسٹیٹ کی حاکمیت کے

اصول اور عقائد کی علمی، وسیاسی حقیقت معلوم کرنے کے بعد، اب ٹھنڈے دل سے، ہمیں ذرہ تفصیل سے چار سوالات پر غور کرنا چاہیئے :-

(۱) پہلا یہ سوال ہے کہ آیا حقیقت میں ہندوستان، ایک نیشن یا نیشنلیٹی ہے ؟

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستان کو ایک نیشنلیٹی یا قومیت متحدہ ہونا چاہیئے ؟

(۳) تیسرا سوال یہ ہے کہ آیا ملت اسلامیہ ہند نیشنلزم قبول کر سکتی ہے ؟

(۴) چوتھا یہ سوال ہے کہ مسئلہ ہند کی اصلی حقیقت، ماہیت اور نوعیت کیا ہے ؟

(۵) پانچواں یہ سوال ہے کہ، مسئلہ ہند کا اُس کی خاص نوعیت کے لحاظ سے کونسا مناسب حل ہے ؟

پہلا سوال :- کیا ہندوستان ایک قومیت ہے ؟

کیا ہندوستان، حقیقت میں ایک قومیت ہے ؟

آپ میں سے ہر ایک شخص، جو قومیت کی تعریف سے آگاہ ہو جواب دے گا کہ ہندوستان نہ اس وقت متحدہ قومیت ہے اور نہ ماضی میں کبھی تھا۔ تاریخ ہند کے چار بڑے دور مانے جاتے ہیں

(۱) ڈریویڈین عہد، جو ڈریویڈین، ناگا، کول، بھیل، سنتھال، اراون جیسی غیر آریا اقوام اور اصلی باشندگان اور جنگلی قبائل کا دور تھا

(۲) آرین عہد، جو ہندوستان میں آریائی قبائل اور سنسکرت زبان کی آمد سے شروع ہوتا ہے

(۳) مسلم عہد جو ہندوستان میں مسلم سلطنت کے قیام سے شروع ہو کر

سلطنت دہلی کی غدر ۱۸۵۷ء میں تباہی کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔

(۴) **برطانوی عہد**، جو غدر کے بعد ۱۸۵۸ء میں ہندوستان کے براہِ راست تاج برطانیہ کے زیرِ حکومت آنے سے شروع ہوتا ہے۔

آپ غور فرمائیے کہ ان چار عہدوں میں سے کسی ایک عہد میں بھی ہندوستان کبھی ایک متحدہ قومیت رہا ہے!

تاریخ ہند کا ہر طالب علم جواب دے گا کہ ہندوستان ان چار دوروں میں سے کسی ایک دور میں بھی ایک متحد قومیت اور ایک متحدہ قومی سلطنت کی پوزیشن حاصل نہیں کر سکا۔

ڈریویڈین عہد میں جس کو "ڈریویڈین" محض سہولت و امتیاز کی خاطر نامزد کیا گیا ہے، ہندوستان میں بے شمار مختلف الاصل، مختلف اللون، اور مختلف النسل، جنگلی قبائل آباد تھے، جن کی اولاد آج بھی چھوٹا ناگپور اور وسط ہند کی پہاڑیوں میں آباد ہے۔ ڈریویڈین ان میں نسبتاً زیادہ متمدن تھے، ان کی ایک زبان اور لٹریچر بھی تھی، لیکن یہ قوم بھی نہ سارے ہندوستان میں آباد تھی اور نہ سارے ملک پر حکمران تھی، بلکہ اس کی حکومت زیادہ سے زیادہ چند ضلعوں تک محدود تھی۔ بہت سی غیر ڈریویڈین اقوام و قبائل انکے ساتھ ساتھ ہندوستان میں آباد تھیں، جن کے درمیان ہمیشہ لڑائی جاری رہتی تھیں۔

آرین عہد کا میراث افتراق

آرین عہد کی آج سب سے بڑی یادگار، رِگ وید، منوشاستر، اچھوت اقوام اور جات پات کی آہنی تفریقات ہیں جو متحدہ قومیت کی سب سے بڑی نفی اور محکم ترین زندہ تردید ہیں۔ اور ہندوستان کے

ایک متحدہ قومیت بننے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں آریہ اصلی باشندگان ہند سے زیادہ طاقتور تھے۔ آریوں نے رفتہ رفتہ شمالی ہند پر قبضہ کرلیا اور اصلی باشندگان ملک کو مغلوب کرکے ان کو اپنا غلام بنالیا یا ان کو دکن اور وسط ہند کے پہاڑوں میں دھکیل دیا۔ پھر فاتح وحکمران آریہ قوم کی نسل وقومیت کو مفتوح غیر آریا قوموں سے جدا اور افضل رکھنے کے لئے ورن آشرم دھرم اور منوشاستر کے جات پات کی تفریقات کی آہنی دیواریں کھڑی کی گئیں۔ اصلی باشندگان ملک کو چنڈال، شُدر، پاریا اور داسیوس (غلام) کے نفرت انگیز ناموں سے پکارا گیا اور ان کا دھرم اور کرم، فاتح آریا قوم کی غلامی اور خدمت قرار پایا۔

آج ہندوستان میں جو سات کروڑ اچھوت، شدر، اور دس کروڑ سچھوت (پست اقوام) اور بے شمار جنگلی اقوام موجود ہیں، وہ اسی آریائی عمل غلام سازی کے آثار باقیہ اور تاریخی یادگار ہیں۔

آریا قوم نے شمالی ہند کے وادئ گنگ وجمن کا نام آریاورتا رکھا، لیکن آریاورتا کے حدود کبھی گنگا اور جمنا کے وادی سے آگے نہیں بڑھ سکے اور سارے ہندو عہد میں ایک بار بھی، سارا ملک نہ ایک متحدہ قومیت بن سکا اور نہ ایک قومی سلطنت کے زیر حکومت آیا۔ آریا فاتحین کی اونچ جاتیاں ایک بالکل جداگانہ حکمران قوم کی ممبر تھیں لیکن مفتوح وغلام اصلی باشندگان ملک جن کی تعداد آریوں سے بہت زیادہ تھی، بالکل جداگانہ اقوام سے تھیں۔ آریہ اونچ جاتیاں اپنے آپ کو سورج، چاند اور خدا کی اولاد جانتی تھیں۔ اور ملک کی اصل قوموں اور قبیلوں کو "سب ہیومن" (SUB-HUMAN) یعنی درجۂ انسانیت سے گرا ہوا۔ اسفل جانور

یقین کرتی تھیں ـــــ اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ ملک کی اصل آبادی انھیں غیر آریا قوموں پر مشتمل تھی، اور حکمران آریوں کی تعداد بمشکل پانچ فی صدی ہوگی۔ آپ فیصلہ کیجیے کہ جس ملک کی غالب آبادی جانور تصور کی جاتی ہو اور جس کی حکمران جماعت اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں بھگوان جانتی ہو، وہاں قومیتِ متحدہ کا تصور پیدا کیسے ہو سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آریا قوم نے اپنے جات پات کے نظام سے جو قومیت سوز، مسائل پیدا کئے تھے وہ کروڑوں اچھوت کروڑوں سچھوت اور اصلی اقوام کے وجود کی صورت میں ہم لوگوں کو آج بیسویں صدی میں ماضی سے ترکہ میں ملے ہیں اور اتحاد ہند کو ناممکن بنا رہے ہیں۔

مسلم عہد، ایک لحاظ سے، اس ملک کے لئے سب سے زیادہ اتحاد پرور عہد تھا تو دوسرے لحاظ سے، سب سے زیادہ افتراق پرور بھی تھا۔ اتحاد پرور اس طرح کہ کم و بیش سارے ملک کو ایک مرکزی شہنشاہی و سلطانی حکومت دہلی کے ماتحت لاکر، مسلمانوں نے ہندوستان میں سب سے اول سیاسی وحدت اور مرکزیت کا خیال پیدا کیا۔ اردو زبان و ادب کو پیدا کرکے، اس اتحاد کو اور بھی مستحکم کیا بہت سے فنون و رسوم ایسے ایجاد کئے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کی معاشرت میں مشترک تھے۔ مفکرین کا ایسا گروہ بھی پیدا ہوا جس نے، ہندومت اور اسلام کے ملاپ کی کوشش کی اور مجمع البحرین جیسا لٹریچر اور کبیر پنتھ اور سکھ پنتھ جیسے نئے اتحادی چرچ پیدا کئے۔

لیکن ہندوازم اور اسلام کے دینی عقائد اور سماجی اصول میں اتنا بنیادی بعد المشرقین، بلکہ قطبین کا ضد واقع تھا کہ دونوں کا ملاپ

ناقابل قیاس ہوگیا - اب تک آریائیت کو اس ملک میں، اپنے آپ سے کسی برتر تہذیب اور قوی تر قوم سے واسطہ نہیں پڑا تھا، لیکن اب وہ ایک باہر سے آئی ہوئی قوی تر قوم کی مفتوح اور ایک برتر جمہوری تمدن کی محکوم بن چکی تھی - آریوں کے مقابلے میں اسلام کی آمد کے پہلے کوئی قابل ذکر تمدن تھا ہی نہیں - لیکن اب ہندوستان میں مغل، ترک، عرب، ایرانی، افغانی، و ترکمانی جیسی فاتح عالم اقوام ایک متحدہ ملت و مذہب کے علمبردار اور ایک عالمگیر تمدن کی نمایندہ حیثیت اور فاتحانہ شان سے داخل ہوکر، ملک پر قابض و دخیل ہو چکی تھیں - اور اس طرح ہندوستان کے اندر آریا ہندو قوم کے مقابلے میں ایک دوسری فاتح، حکمران اور قوی قوم کی حریفانہ طاقت پیدا ہو چکی تھی - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ :-

مسلم عہد کا میراث افتراق

(۱) ہندوستان جو پہلے سے آریا اور غیر آریا قوموں اور نسلوں کی باہمی نسلی - جنگوں اور آویزشوں کی "نسلی" جنگاہ تھا، اب دو بالکل مخالف مذہبوں دو بالکل متضاد سماجوں اور دو بالکل متصادم تمدنوں کی مستقل "تمدنی" آویزش گاہ بن گیا - اسلام نے اپنے سیاسی فتوحات کے بعد اپنی روحانی و تمدنی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا - کروڑوں اونچ اور نیچ ہندو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، اور رفتہ رفتہ بہت سے صوبوں اور علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی غالب ہوگئی اور ہر جگہ ہندو جات پات کے سماج کے مقابلے میں اسلامی اخوت و مساوات کی جمہوری سوسائٹی قائم ہوگئی اور بت کدوں اور مندروں کے مقابل بلند، کشادہ، خوبصورت اور

عالیشان مسجدیں کھڑی ہو گئیں جن کی اذانوں نے مردہ ہندوستان میں نئی جان ڈالدی۔ اور ہندویت کے خوابیدہ ضمیر کو بیدار کیا۔

آریا اور غیر آریا کی جو جنگ مسلم عہد کے پہلے نسلی و سیاسی اساس۔۔۔ پر جاری تھی وہ جنگ بحال و برقرار رہی لیکن مسلم عہد میں اس نسلی جنگ پر دو بالکل متضاد ملتوں کی ملّی، مذہبی و تمدنی جنگ کا بھی اضافہ ہو گیا۔ محمد بن قاسم اور سلطان محمود غزنوی کے عہد سے لیکر پانی پت کی تیسری جنگ (۱۷۶۱ء) تک کی پوری تاریخ ہند ہندوؤں اور مسلمانوں کی ہزاروں باہمی جنگوں کی تاریخ ہے۔

ان جنگوں کی یاد، دونوں قوموں کی قومی یادوں اور قومی ذہنوں میں ہمیشہ کے لئے محفوظ و مرتسم ہو چکی ہیں۔

(۲) دوسرا اہم نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ اسلام کے فاتحانہ داخلہ کے بعد مورخین ہند کی، متفقہ رائے کے مطابق ہندو چھوت چھات اور جات پات کی بندشوں میں پہلے سے بھی زیادہ سختی و صلابت پیدا ہو گئی۔ مفتوح ہندو قوم نے اپنے آپ کو فاتح مسلم قوم کے اثرات سے محفوظ کرنے کے لئے چھوت چھات اور جات پات کی آہنی دیواروں کو پہلے سے بھی زیادہ اونچا اور عمیق کر دیا۔

(۳) تیسرا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں تمدنوں میں ملاپ کی غرض سے جو درمیانی اتحادی تحریکیں پیدا ہوئیں، وہ خود اس ملک میں مزید افتراق کا سبب بن گئیں۔ سکھ پنتھ، اسلام اور ہندومت کے درمیان ایک مصالحانہ تحریک بنکر شروع ہوئی لیکن اسلام اور ہندویت کے درمیان ایک مزید خلیج اختلاف بنکر ختم ہوئی، اور ہندوستان میں ایک نئی

قومیت کے عنصر افتراق کا اضافہ ہوا۔

(۴) چوتھا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے، ہندومت اور اسلام کے درمیان مصالحت کرانے کی تحریکات کو نفس ملت اسلام کے صریحاً خلاف دیکھتے ہوئے ان تحریکات کو کفرِ صریح قرار دیا۔ اکبر کے دینِ الٰہی اور دارا شکوہ کے مجمع البحرین کے خلاف، ایسا زبردست اسلامی ردِّ عمل ظاہر ہوا کہ ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ آخر دور میں سید احمد شہید بریلویؒ اور حضرت اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی جو تحریک اٹھی وہ بھی دراصل، ہندوستان کے اسلام کو اسی ہندومت کے بدعات و اثرات سے پاک کرنے اور دینِ خالص کی تجدید اور سلطنت اسلام کے احیا کی تحریک تھی۔

برطانوی عہد میں جہاں ایک طرف، سارا ملک ایک غیر ملکی مرکزی حکومت کے ماتحت اور ایک خارجی قوتِ قاہرہ کے زور سے سیاستاً متحد ہوگیا، اور ریل، تار اور ڈاک کے جدید وسائل کے اعتبار سے ملک کا ایک حصہ دوسرے سے معیشتاً مربوط ہوگیا وہاں جدید مغربی تعلیم و تمدن کے اثرات کے ماتحت، ہندوازم کے احیا کا نیا دور شروع ہوا، اور اسلام کے احیا کا بھی دورِ ثانی اس ملک میں جاری ہوا، جن کا مجموعی اثر، ہندو قوم اور مسلم قوم کی ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ علیحدگی، کشیدگی اور دوری کی صورت میں ظاہر ہوا۔

جنگ پلاسی (۱۷۵۷ء) کے بعد جو انقلاب، حکومت بنگال، بہار و مشرقی ہند میں ہوا اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ، حکومت کے اختیارات، معیشت کے ذرائع، تعلیم و طاقت، سرکاری سروس، زمین و ملکیت، مناصب و

مدارج، سب کچھ، مسلمانوں سے، ہندوؤں اور انگریزوں کی طرف منتقل ہو گئے فارسی اور اردو کی جگہ انگریزی، بنگلہ اور کبھی ہندی کو عدالتوں اور اسکولوں میں بطور سرکاری و عدالتی و تعلیمی زبان جاری کیا گیا۔ بنگلہ زبان کو جو ابتدا میں مسلمانی زبان تھی اور جس کی ساخت و پرداخت میں مسلمان بادشاہان بنگال نے بڑا حصہ لیا تھا اور جس میں اسلامیت کا بڑا لٹریچر بھی پیدا کیا تھا، ختم کر کے ایک خالص سنسکرتی ہندو زبان بنا دیا گیا، اور اس کو ہندو نشاۃ الجدیدہ کا آلہ اور مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت کے آرگن کے طور پر استعمال کیا گیا۔

یہ تفریق یہانتک بڑھی کہ برہم سماج، جس کی بنیاد راجہ رام موہن رائے نے اپنی کتاب "تحفۃ الموحدین" کے ذریعہ اسلامی توحید و اخوت کے اساس پر رکھی تھی، بگڑ کر، ختم ہو گیا، اور خود برہم سماج سے، جو تمام اصلاحی ہندو فرقوں میں اسلام سے قریب ترین تھا، بنکم چندر چٹرجی پیدا ہوا جس نے اسلام اور مسلم قوم کے خلاف نہایت نفرت انگیز زہریلا لٹریچر پیدا کیا۔ اور انگریزوں کا، استقبال، ہندو قوم کے نجات دہندہ کے طور پر کیا۔ اسی برہم سماجی بنکم چندر چٹرجی نے آنند مٹھ لکھا جس کا اسلام کے خلاف بندے ماترم، نعرہ جنگ تھا بعد کو اسی مشرکانہ و بت پرستانہ بندے ماترم کو کانگریسی قومیت نے اپنا نعرۂ قومیت اور ترانۂ قومی قرار دیا۔ جس سے اس عمیق، بنیادی اور اصلی حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ کانگریسی نیشنلزم دراصل ہندوازم کے احیا اور غلبہ کی وہی تحریک ہے جس کو آنند مٹھ کے بندے ماتری سورماؤں نے مسلم مذہب، مسلم قوم، مسلم تمدن اور مسلم حکومت کے خلاف شروع کی تھی۔ مسٹر راما نند چٹرجی ایڈیٹر ماڈرن ریویو، ہمارے عہد کے دوسرے بندے ماتری برہم سماجی ہیں جو علانیہ ہندوستان کو ہندو نیشن اسٹیٹ بنانے کے

نصب العین کی تبلیغ کر رہے ہیں اس سے یہ ثابت ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کی تحریکیں عملاً مزید تفریق کا سبب ہوئی ہیں۔ جو بنگال میں ہوا۔ وہی کم وبیش دوسرے صوبوں میں ظاہر ہوا۔ ہر جگہ ہندو اور مسلمان، زبان، معاشرت، سیاسیات تعلیم، اقتصادیات، لباس، رفتار گفتار اور ذہن و فکر اور دنیاوی مفاد کے اعتبار سے، ایک دوسرے کے خلاف سمتوں میں حرکت کرتے رہے۔ جوں جوں تعلیم بڑھتی اور پھیلتی گئی ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے ذہناً بیگانہ بلکہ بیزار ہوتے گئے۔ جوں جوں ہندوستان کو اختیارات منتقل ہوتے گئے، ہندو مسلم تفریق کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ اور جوں جوں ہندوستانیوں کے لئے مادی فوائد، مالی منافع اور اقتصادی خوشحالی کے مواقع بڑھتے گئے ہندو قوم کی اُن پر اجارہ داری اور مسلمانوں کی ناداری، محرومی، اور تلخی بڑھتی گئی۔ ہر جگہ مسلمانوں کی خرابی اور بربادی پر، ہندوؤں کی ترقی کی عمارت کھڑی ہوئی، بنگال کے مسلمان زارعین کی دوامی بندوبست کے ذریعہ بے دخلی و بربادی کے خرابہ پر ہندو زمینداروں وکیلوں اور مہاجنوں کی عمارت تعمیر ہوئی، بہار کی مسلم زمینداریاں گذشتہ پچاس سال میں ہندو مہاجنوں کی طرف منتقل ہوگئیں، پنجاب، کاشمیر میں بھی یہی ہوا۔

برطانوی ہند کا میراث افتراق

الغرض برطانوی عہد میں مسلم عہد کے رہے سہے نشانات مٹتے چلے گئے اور ہندو مسلم تفریق بڑھتی چلی گئی۔

(۱) صوبائی ورنکیولروں یعنی صوبائی زبانوں کی ترقی ہوئی۔ بنگلہ،

مرہٹی، اڑیا، گجراتی، تامل، ٹیلوگو، ملایا کا لٹریچر پیدا ہوا اور انھوں نے تفریق ہند کو بڑھانے میں زبردست حصہ لیا۔

(۲) ہندوؤں اور مسلمانوں کی اقتصادی و معاشی و روزگاری میدانوں میں تفریق بہت بڑھ گئی۔ مثلاً بنگال و پنجاب میں مسلمان من حیث القوم زارعین اور مقروضین کی قوم بن گئے، اور ہندو من حیث القوم زمینداروں، مہاجنوں اور وکیلوں کی قوم بن گئے، جن کے اقتصادی مفاد ایک دوسرے سے بالکل متضاد و متصادم تھے۔

(۳) جوں جوں حکومتی ادارات میں اختیارات اوپر سے ہندوستانیوں کی طرف منتقل ہوتے گئے، ہندو اُن پر اجارہ دارانہ قبضہ جماتے گئے مسلمان دیر میں بیدار ہوئے جبکہ میدان حریف کے قبضہ میں جا چکا تھا، چنانچہ معمولی یونین بورڈ سے لے کر مرکزی اسمبلی دہلی کے ہر شعبۂ حکومت میں ہندو اور مسلمان دو قوموں کے درمیان باہمی حریفانہ آویزش پیدا ہو گئی۔ ایک جماعت قابض و دخیل تھی جو ہر طرح دوسری جماعت کو بے دخل اور اپنے تابع رکھنا چاہتی تھی۔

(۴) مسلم عہد میں اردو زبان کی جو عظیم الشان وحدت پیدا ہوئی تھی اس کو بھی ہندی یعنی جدید سنسکرت کی ایجاد و اشاعت اور اردو کی منظم مخالفت کے ذریعہ تباہ کر دیا گیا، بلکہ اس کی جگہ ایک نہایت درجہ افتراقی لٹریچر پیدا کیا گیا جو مسلمانوں کے خلاف سخت زہریلے جراثیم سے بھرا ہے

(۵) مسلم عہد میں بقول سر جادو ناتھ سرکار ہندو مسلمانوں میں لباس و طرز بود و ماند میں جو یکرنگی پیدا ہوئی تھی، وہ بھی تباہ ہو گئی اور برطانوی عہد میں اس میں بھی تفریق بڑھ گئی۔

(۶) مسلم پادشاہوں پر دل آزار حملوں کا سلسلہ بہت بڑھ گیا، اور اسکے مقابلے میں شیواجی اور رانا پرتاب کو ہندو قوم کا ہیرو بنایا گیا، اور مسلمانوں سے مسلم عہد کی حکومت کا انتقام لینے کا جذبہ تیز تر ہو گیا۔

(۷) جدید اخباروں اور نیوز ایجنسیوں نے بھی، ہندوؤں اور مسلمانوں کی بنیادی تفریقات کو بڑھانے میں زبردست حصہ لیا۔

(۸) خود نام نہاد نیشنل کانگریس وہ خالص دنیاوی اور سیاسی مجلس نہیں رہی جو وہ دادا بھائی نوروزجی اور گوکھلے کے زمانے میں تھی، بلکہ مسٹر گاندھی کے زیر اثر ایک نیم مذہبی مجلس اور ہندو مت کی تفسیر جدید —— گاندھیت —— کی مبلغ اور ہندو فسطائیت کی علمبردار بن گئی۔

(۹) ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو تعلیمی اور کلچرل تحریکات پیدا ہوئیں انھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو اور بھی ذہناً و فکراً ایک دوسرے سے دور کر دیا، کیونکہ دونوں کو ایک دوسرے کے مذہب کا بنیادی و اساسی اختلاف بلکہ تضاد کا حال زیادہ صاف طور پر معلوم ہو گیا۔ ملک کی قدیم تاریخ و روایات کی عام تعلیم نے اس ذہنی تفریق کو شدید سے شدید تر کرنے میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔

(۱۰) ہندو سبھا، ہندو سنگھٹن، شدھی اور ہریجن تحریکات خاص طور پر اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی مخالفت کے لئے وجود میں لائی گئیں۔ مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبہ بڑھ کر منتظم تحریک بن گیا۔

(۱۱) آریہ سماج کی زندگی کا مقصود اسلام کی ترقی کی مخالفت اور مسلمانوں کے خلاف معاندانہ حرکت، ہندو نیشنل ازم کی ترقی اور ہندوستان کو ہندو استھان بنانے کی کوشش قرار پایا۔ آریہ سماج تحریک کی ترقی دراصل

ہندو مسلم جنگ کی ترقی کا دوسرا نام ہوگیا۔ جہاں یہ تحریک پیدا ہوئی وہاں ہندو مسلم جنگ بھی پیدا ہوگئی۔

(۱۱) ہندو عہد میں آریوں نے غیر آریہ قوموں کو شدر، اچھوت اور نیچ ذات بنا دیا تھا لیکن اسلامی تعلیم واخوت اور مغربی تعلیم وجمہوریت نے ان میں ایک نئی زندگی اور بیداری پیدا کی۔ ان میں شعور خودی پیدا ہوا وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہونے لگیں اونچ جات کے ہندوؤں سے انھوں نے اپنی علیحدگی اور اپنی جداگانہ انفرادیت کا اعلان کیا اور اپنی جداگانہ پوزیشن کو دستور ملک میں تسلیم کرا کر چھوڑا۔ قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء نے سیاسی وقانونی لحاظ سے ہندوستان میں اچھوتوں کی ایک جداگانہ قوم پیدا کیا جن کے وجود کو دستور ہند میں پہلی مرتبہ تسلیم کیا گیا۔ جوں جوں ان غیر آریہ قوموں میں تعلیم بڑھ رہی ہے اور وہ ہندو عہد کے مظالم اور ہندو شاستر کی تعلیمات سے خبردار ہوتی جا رہی ہیں ہندوؤں اور ان غیر آریہ قوموں میں تفریق کی خلیج بڑھتی جا رہی ہے۔ مدراس اور جنوبی ہند میں آریائیت اور برہمنیت کے خلاف زبردست بغاوت جاری ہو چکی ہے۔ اچھوتوں نے علانیہ ہندو مت کو چھوڑنے اور منو شاستر کو جلانے کی تحریک جاری کی ہے اچھوتوں اور مدراس جسٹس پارٹی کی تحریک غیر آریہ قوموں کی اس بغاوت کی نمائندہ ہیں جو انھوں نے ہندو قومیت اور آریائی غلامی کے خلاف جاری کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ برطانوی عہد میں نہ صرف مسلم عہد کی پیدا کی ہوئی رہی سہی وحدتوں کا بھی خاتمہ ہوگیا بلکہ بے شمار زبردست اور نئی طاقتیں تفریق کی پیدا ہوگئیں۔ اکال الامم ہندوستان جتنی قوموں کو نگل کر ہضم

کر چکا تھا جدید جمہوریت ان تمام قوموں کو ہندویت کے پیٹ سے اگلوا رہی ہے، اور برِ اعظم ہند ایک محشرستان اقوام و ملل بن گیا ہے، جہاں بہت سی مُردہ، نیم مُردہ، افسردہ اور پامال قومیں برہمنی نظام کے قبرستان سے اسی طرح اُبھر رہی ہیں جس طرح قیامت کے دن قبروں سے مُردے اُبھرینگے۔

لفظ "ہندو" اور "ہندوستان" کی اصل

حضرات !

آخر میں ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ، ہمارے سوال کا مُسکت جواب ہوگا۔ وہ یہ کہ اِس ملک میں مسلمانوں کی آمد کے قبل ملک کی جغرافی وحدت کا بھی کوئی تصور اور کوئی تخیل پیدا نہیں ہوا تھا۔ یعنی نہ ہندوستان ایک مُلک تھا اور نہ اُس کا کوئی نام تھا حتیٰ کہ عقائد، انساں، قبائل و طبقات کا وہ معجونِ "غیر مرکب" اور "خلطِ غیر مخلوط" جس کا اس وقت نام "ہندو" ہے کسی ایسے عمومی نام سے بھی محروم تھا جو تمام ملک پر حاوی ہو۔

مسلمانوں کی آمد کے پہلے اس برِ اعظم کا کوئی ایک نام تک نہیں تھا۔ آریاورتا، وادیٔ گنگ و جمن کے ایک مخصوص حصے کا نام تھا۔ اور بھارت ورش سے مراد بھی ایک خاص ہندو خاندان کی بادشاہت کا محدود علاقہ تھا۔ ہندوؤں اور آریوں کی لغت میں کوئی ایسا لفظ یا نام نہیں تھا جو سارے ملک پر دلالت کرے اور جس سے سارے ملک کا مجموعی وحدانی تصور ذہن میں آسکے۔ بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ ہندو لغت میں "قوم و قومیت" (نیشن اور نیشنلیٹی) کے مترادف و معادل لفظ کا وجود ہی نہیں ہے۔ "جاتی" اور "ورن" سے جات پات مراد ہے۔ اُن سے جدید قومیت کا مفہوم ہرگز ادا نہیں ہوتا ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود ہندو قوم کا کوئی ایک متحدہ و مشترکہ عمومی نام نہیں تھا۔ کیونکہ برہمنی نظام "ورن آشرم" کے گرفتار اقوام کو سب سے اول ہندو کہنے والے اور ایک عمومی نام "ہندو" سے نامزد کرنے والے مسلمان فاتحین تھے۔ مسلمانوں نے کمال تعمیم کے ساتھ اس ملک کی ساری مفتوح رعایا کو جو غیر مسلمان تھی بلا لحاظ رنگ و نسل، قومیت و عقیدہ، ہندو (بمعنی غلام) سے موسوم کیا، کیونکہ اُن کے سامنے حاکم و محکوم، فاتح و مفتوح کی دو بڑی امتیازی حالتیں تھیں۔ پس مسلمان فاتحین نے مسلمانوں کے علاوہ ہر دوسرے ہندی گروہ کو ہندو بمعنی "غلام" کے نام سے موسوم کیا اور ملک کی ساری غیر اسلامی آبادی کو اسی عمومی نام سے پکارا۔ اس "ہندو" نام کی عمومیت سے، تمام مفتوحہ اقوام میں، ان کی مشترکہ محکومیت کی یکتائی کے باعث، ایک وحدت اور عمومیت پیدا ہوگئی، ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ برہمنی سماج اور سامراج کی محکومیت کے ماتحت جو آریا اور غیر آریا اقوام کے عناصر و اجزا مجبوراً جمع تھے وہ باہم بالکل غیر مرکب اور غیر مخلوط حالت میں تھے جن کو ایک متحدہ قوم کہنا اسی طرح غلط تھا جس طرح برہمن بھگوان اور چندر بنسی اور سورج بنسی چھتری قوم کو اور ڈوم، چمار، اور چنڈال قوم کو ایک متحدہ قوم کہنا غلط تھا یا جس طرح اسپارٹا کے اسپارٹن آقاؤں اور اُن کے مفتوح و محکوم ہیلوٹ غلاموں کو ایک قوم کہنا غلط تھا۔

مسلمان فاتحین کے ذہن میں لفظ "ہندو" کے کوئی خاص معنی متعین نہیں تھے ان کے نزدیک ہندو سے کوئی خاص قوم مراد نہیں تھی اور نہ ہندویت سے کوئی خاص ملت مراد تھی، بلکہ اس سے اس ملک کے اندر مسلمان حاکموں اور فاتحوں کے علاوہ تمام غیر مسلمان اور محکوم اقوام مراد تھیں۔

جو مسلمانوں کی غلام ہو چکی تھیں۔ فارسی میں ہندو کے معنیٰ "سیاہ فام" اور "غلام" کے ہیں۔

یہ مسلمان فاتحین تھے جنھوں نے سارے ملک کو دہلی کی مسلمان سلطنت کے ماتحت لاکر، "ہندوستان" یعنیٰ غلامستان کے نام سے موسوم کیا

مختلف جاتیوں کا کوئی عمومی قومی نام نہیں ہے

حضرات!

میں چیلنج دیتا ہوں کہ کوئی شخص یہ ثابت کرے کہ مسلمانوں کی آمد کے پہلے اس ملک میں مختلف الاصل، مختلف الوّن، مختلف النسل، مختلف الملّت اور مختلف الحال قوموں، نسلوں، قبیلوں، جماعتوں، طبقوں، ورنوں اور جاتیوں کا کوئی ایک مشترکہ اور عمومی نام تھا جو اُن تمام پر حاوی ہو اور جس سے وہ تمام بحیثیت مجموعی پکارے جاتے ہوں۔

سنسکرت لغت باوجود اپنی بے پایاں وسعت کے کسی ایسے لفظ سے محروم ہے جو مختلف ورنوں، جاتوں اور قوموں کے اُس مجموعۂ غیر مرکب کو مجموعی طور سے ظاہر کرے جس کو ورن آشرم دھرم اور آریائی تسلط کے سیاسی اثر نے برہمنیت کے نظام کے ماتحت محض محکومانہ و مقہورانہ طور پر جمع کر دیا تھا، اور جن کو محض سہولتاً مسلمان فاتحین نے غلط تعمیم کے ساتھ "ہندو" کے نام سے پکارا تھا، کیونکہ ان کو کسی اور نام سے پکارنے کے لئے کوئی دوسرا لفظ سوا لفظ "ہندو" (یا غلام) کے نہیں تھا۔ لغت اور تاریخ کی یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے جس کے خلاف آج تک کوئی ایک کلمہ نہ بول سکا۔

ملک کا کوئی عمومی نام نہیں

میں دوسرا چیلنج دیتا ہوں کہ کوئی شخص ثابت کرے کہ مسلمانوں کے آنے کے پہلے اس ملک کو مجموعی طور پر ظاہر کرنے کے لیے سنسکرت زبان یا پالی زبان یا کسی پراکرت زبان میں کوئی ایک "اسم خاص" یا لفظ بھی تھا آج بھی سنسکرت کا سرمایۂ لغت کسی ایسے لفظ سے تہی دامن ہے۔

ملک کی عمومی زبان نہیں

میں تیسرا چیلنج دیتا ہوں کہ کوئی ثابت کرے کہ مسلمانوں کی آمد اور اردو کی پیدائش کے پہلے اس ملک میں کوئی ایک عام زبان تھی جو سارے ملک میں عام طور سے بولی یا سمجھی جاتی ہو یا جس کو اس کی عمومیت کی بنا پر قومی وملکی زبان کہہ سکتے ہوں۔

لفظ "ہندو" بھی خارج سے درآمد ہے

میں چوتھا چیلنج دیتا ہوں کہ کوئی شخص، سنسکرت زبان وادب، وید، شاستر، پوران اور سمرتی اور سارے برہمنی سرمایۂ لغات کو کھنگال کر یہ ثابت کرے کہ اس میں لفظ "ہندو" یا "ہندوستان" کہیں پایا جاتا ہے! آپ تمام لغاتِ ہند، تمام السنۂ ہند اور تمام ادبیاتِ ہند کے ورق ورق، صفحہ صفحہ اور سطر سطر کا کھوج لگا ڈالیے لیکن آپ کو کہیں لفظ "ہندو" اور لفظ "ہندوستان" کا نام ونشان نہیں ملے گا۔

کیوں؟

اس لئے کہ یہ دونوں لفظ مسلمانوں کے لائے ہوئے درآمد ہیں اور فارسی الاصل ہیں۔ اس سے جو بات روز روشن کی طرح روشن ہوتی ہے وہ یہ کہ سارے ملک کی متحدہ قومیت تو بہت دور کی چیز ہے،

تمام برہمنی اور شاستر ک نظام کی اقوام بھی نہ کوئی متحدہ قومیت تھیں اور نہ ان کا کوئی ایک مشترکہ عمومی نام تھا۔ وہ مختلف جاتیاں اور ورنیں تھیں لیکن کوئی ایک مشترکہ قومیت نہیں تھیں۔ اگر، یونان قدیم میں اسپارٹا کے فاتح لاسی ڈائی مونین اور غلام ہلوٹ ملکر ایک قوم کہلا سکتے ہیں تو برہمنی حاکموں اور محکوموں کو ایک قوم کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یہ واقعہ اور تاریخ کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تمام ہندی اقوام کا عمومی و خداتی نام مسلمان فاتحین ہند کا ایک دین، عطیہ اور بخشش شاہانہ ہے۔

چنانچہ آج برطانوی قانون و دستور کی رو سے بھی "ہندو" کوئی معین قوم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز ہمیشہ "محمڈن" اور "نان محمڈن" کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ "محمڈن" حلقہ اور "نان محمڈن" یا مسلم و غیر مسلم حلقہ کا نام رکھا گیا ہے۔ قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کی رو سے حلقہ ہائے انتخاب کے نام محمڈن حلقہ اور نان محمڈن یا جنرل حلقہ رکھے گئے ہیں۔ "ہندو حلقہ" کا کہیں مذکور نہیں ہے۔

کیوں ؟

اس لئے کہ وہ اقوام، طبقات و درجات جن پر مسلمانوں کی مہربانی سے عمومیت کے ساتھ لفظ "ہندو" چسپاں کیا جاتا ہے کوئی وحدت عمومی نہیں رکھتے ہیں اُن کا امتیازی نشان صرف یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی منفرد، معین و مشخص قوم کے علاوہ اور علیحدہ ہیں۔ اُن کا ایک بھی بنیادی و مشترکہ اساس و عقیدہ نہیں ہے۔ ان کی ایک شخص بھی آج تک منطقی تعریف نہیں کر سکا ہے۔ ہندو سبھا کی تازہ ترین تعریف یہ ہے کہ ہر وہ شخص ہندو ہے جو کسی ہندی الاصل مذہب کا پیرو ہے اور یہ تعریف

صرف غلط ہے بلکہ اس سے یہ ثابت ہے کہ خود ہندو قوم پرستوں کے نزدیک "ہندو" کی کوئی مشترکہ و متحدہ تعریف نہیں ہے ۔

ہندو نام بدلنے کی تحریک

کچھ عرصہ ہوا، پنجاب میں لالہ لاجپت رائے اور دوسرے آریا سماجی ہندو لیڈروں نے یہ تحریک جاری کی تھی کہ ہندو قوم کا نام بدل دیا جائے اور ہندو اپنے آپ کو "ہندو" کہنا ترک کردیں کیونکہ یہ فارسی الاصل لفظ ہے جس کے معنی غلام، سیاہ فام وغیرہ ہیں اور جو ہندوؤں کی محکومیت کے زمانے کی نشانی ہے ۔

لیکن یہ تحریک اسطرح ناکام ہوئی کہ آج اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے ؟

دقت یہ تھی کہ "ہندو" اپنے آپ کو "ہندو" نہ کہتے تو آخر اور کیا کہتے اُن کی لغت اور شاستر میں علیحدہ علیحدہ ورنوں اور جاتوں کا تصور اور نام ہے لیکن تمام جاتوں کے مجموعہ کا کوئی تخیل اور نام نہیں ہے ہندو لٹریچر میں کسی متحدہ قوم کا تصور نام اور لفظ اور نشان تک نہیں ہے ۔ بنا بریں یہ تحریک ناکام ہوئی ۔

لالہ جی نے تجویز پیش کی تھی کہ "ہندو" اپنے آپ کو آریا کے نام سے موسوم کریں کیونکہ یہ لفظ خاص وید سے ماخوذ ہے ؟ ۔

لیکن یہ بالکل غلط تھا ۔ "آریا" کسی مذہب کا نام نہیں تھا بلکہ ایک خاص (ریس) اور نسل کا نام ہے جس سے 'ایران' کے ایرانی مسلمان اور جرمنی کے ٹیوٹن بھی تعلق رکھتے ہیں ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہندوستانی

آبادی کا سب سے بڑا حصہ بالکل غیر آریائی نسلوں سے ماخوذ ہے جن کو آریا کہنا بالکل غلط ہوگا کیونکہ یہ اقوام کبھی اپنے آپ کو آریا کہنے کے لئے تیار نہیں ہوں گی۔

موجودہ زمانہ میں کانگریسی پروپاگنڈا دنیا کو یہ یقین دلانا چاہتا ہے کہ خواہ تاریخ ماضی کا جو بھی حال ہو، لیکن اس وقت ہندوستان گاندھی جی کی مسیحائی سے ایک متحدہ قومیت کے سانچے میں خاص واردھائی کارخانۂ قومیت سازی سے ڈھل کر بازارِ سیاست میں آچکا ہے۔

لیکن یہ فریب باطل بھی بالکل ٹوٹ چکا ہے۔ یہ ہمالہ سے بڑھ کر سفید جھوٹ ہے جس کو کوئی عقل رکھنے والا انسان مان نہیں سکتا ہے۔

سر تیج بہادر سپرو اور سر رادھا کرشنن کی رائے

ہندو دنیا کے سب سے بڑے دستور و قانون کے ماہر اور قابل ترین سیاست شناس سر تیج بہادر سپرو نے ۱۲- مارچ ۱۹۳۵ء کو علی گڑھ یونین میں تقریر کرتے ہوئے بیان کیا:-

"سوراج، ڈومینین اسٹیٹس یا اس سے بھی کسی بڑی چیز کا ذکر کرنا اس وقت تک بالکل بیکار ہے جبتک آپ کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ ہندوستان میں کوئی ایسی چیز بھی موجود ہے جس کو ہندی وحدت کہہ سکتے ہیں۔ ایسی رائے رکھنے والوں کا ایک طبقہ ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ ہندی وحدت موجود ہے لیکن جب میں تاریخ ہند کو اپنے ذہن میں رکھتا ہوں تو میں اس رائے سے اختلاف

کرنے پر مجبور رہوتا ہوں ۔۔۔۔۔۔

"میں نے یہ حقیقت معلوم کی ہے کہ نیشنل ازم اس سے
زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ یہ ایک محاورۂ بیان ہے جس سے
ہم اپنی تقریروں کو آراستہ کرتے ہیں، ایک لفظ میں یہ ایک
خریفانہ تمنا ہے لیکن یقیناً ایک قائم شدہ حقیقت واقعہ نہیں ہے"

موجودہ ہندو دنیا کے سب سے بڑے اور عالمگیر شہرت کے فلاسفر اور
ہندویت کے حامی، ڈاکٹر سر رادھا کرشن، وائس چانسلر بنارس ہندو یونیورسٹی
نے لکھنؤ یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے اس حقیقت کا اس طرح اظہار
کیا کہ:۔

"ہندوستان کی قومیت ایک آئیڈیل یعنی آرزو اور نصب العین
ہے لیکن ایک موجودہ حقیقت نہیں ہے"

ایک بنگالی مفکر کا حقیقت افروز مطالعہ

مسٹر ملند را نرائن رائے، ایک فاضل بنگالی ہندو مفکر نے اخبار
بہار ہیرلڈ، پٹنہ مورخہ ۱۷- اکتوبر ۱۹۳۹ء میں، ایک طویل علمی مقالہ بعنوان:۔

"قومیت ہند کا سراب اور وہم"

لکھا ہے۔ یہ پورا مقالہ نہایت بصیرت افروز، اور حقیقت پرستانہ ہے
یہاں اُس کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ مسٹر رائے لکھتے ہیں:۔

"قومیت ہند ایک خوبصورت سراب تھا اور یہ تیزی کیساتھ
دور ہوتا جارہا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہندوستان کبھی ایک نیشن
نہیں تھا۔ یہ ایک خوفناک بیان ہے لیکن حقائق کا یہ ایک سچا

بیان ہے۔ ہندوستان ہمیشہ، مختلف نسلوں، مختلف زبانوں، مختلف تمدنوں اور مختلف مذہبوں کی زمین رہا ہے۔ حتیٰ کہ ہندوستان جغرافیائی لحاظ سے بھی بہت سے ملکوں اور زمینوں کا خطہ رہا ہے جن کی آب و ہوائیں مختلف، جنکی مٹیاں مختلف، جن کے جنگلات مختلف، اور جن کے دریا، پہاڑ، اور طبعی حالات بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہندوستان ایک سے زیادہ ایک براعظم رہا ہے جس کے حالات اتنے مختلف و متنوع ہیں کہ وہ سب سے زیادہ محنتی اور تکلیف برداشت کرنیوالے محقق و طالب علم کے دماغ کو بھی مختل و معمہ بنا دیتے ہیں۔۔۔۔۔

۔۔۔۔ سیاسی لحاظ سے ہندوستان کی تاریخ داخلی خانہ جنگیوں کی ایک تاریخ رہی ہے جس میں، تازہ بتازہ خارجی یلغاروں نے کبھی کبھی رکاوٹ اور تبدیلی پیدا کی ہے۔ یہاں ایک ملت دوسری ملت سے برسر جنگ رہی ہے، ایک علاقہ دوسرے سے لڑتا رہا ہے اور ایک محکوم ریاست، حاکم بالادست سے بغاوت کرتا رہا ہے۔

۔۔۔۔" برطانوی عہدِ حکومت کے قبل ہندوستان، کبھی بھی ایک واحد نیشنل اسٹیٹ نہیں رہا ہے۔ ہندوستان کے لوگ کبھی بھی ایک "نیشن" نہیں تھے، جن میں سیاسی وحدت اور مشترکہ شہریت کے نصب العین کی روح کارفرما ہو۔۔۔ کانگریسی حکومتیں، تنخواہ دار فاضلوں کو اس کام کے لئے مقرر کرسکتی ہیں کہ وہ کانگریس کے آڈر کے مطابق، نئے سرے سے تاریخ ہند کی تدوین کریں اور کانگریس کے اس دعوئی کو ثابت کریں کہ ہندوستان

باوجود اپنے سارے اختلافات کہ ہمیشہ ایک قوم رہا ہے لیکن اس طرح کی مصنوعی تاریخ ہند بھی ماضی کی سچائی پر پردہ نہیں ڈال سکتی ہے......

"مسٹر محمد علی جناح کی اس تنقید میں سچائی کا بہت بڑا عنصر موجود ہے کہ مہاتما گاندھی، موجودہ ہندوستان کے سب سے بڑے "مجدّد" (REVIVALIST) ہیں جو، ہندو مذہب نہیں تو، ہندو کلچر کے جوہر کو بہت حد تک زندہ کرنے کی کوشش میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ہندوئیت کی یہ تجدید فی نفسہٖ کافی خطرناک تھی، لیکن یہ اور بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوئی ہے کیونکہ یہ تجدید ہندوئیت کانگریس کے ذریعہ اور واسطہ سے عمل میں لائی گئی ہے۔ رسمی ہندو مذہب نہیں تو کم سے کم اخلاقی ہندو مذہب کو سیاسیات کے ساتھ آزادانہ گھلنے ملنے کی اجازت دی گئی ہے جس کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ وہ نیشنلزم جس کو کانگریس نے بڑھایا اور ترقی دیا ہے وہ ہندو مارکہ کا نیشنلزم رہا ہے۔"

(بہار ہیرلڈ ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

کیا ان شہادتوں کے بعد یہ روز روشن کی طرح ظاہر و باہر نہیں ہو جاتا ہے کہ ہندوستان نہ ماضی میں کبھی ایک قومیت متحدہ تھا اور نہ حال میں ہے؟

دوسرا سوال:۔ کیا ہندوستان کو ایک قومیّت متحدہ ہونا چاہئے؟

حضرات!

آپ کے سامنے دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستان کو ایک نیشنلیٹی

یا قومیّت متحدہ ہونا چاہیئے یا نہیں اور آیا یہ عملی حالات و واقعات کے لحاظ سے ہو بھی سکتا ہے کہ نہیں؟

اس کے جواب میں، میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لونگا۔ ہندوستان کو قومیّت متحدہ بنانا، دراصل اس کو موجودہ یورپ کی قتل گاہ انسانیت اور جہنم زار مادیت پرستی میں تبدیل کرنا ہے۔ ہندوستان کی نیشنل ازم کے اساس پر تعمیر کے معنی یا تو ایک لادینی قومیّت، لامذہبی اسٹیٹ اور ایک خدا بیزار مذہب جدید کی تعمیر ہوں گے (۲) یا ہندو قومیّت ہندو اسٹیٹ، اور ہندو مذہب کی جدید لباس میں تجدید و تعمیر ہوں گے۔

مجھے اور آپ میں سے ہر ایک کو یہ معلوم ہے کہ پہلی صورت۔یعنی لادینیت اور دہریت ـــ کو قبول کرنے کے لئے نہ کوئی ہندو تیار ہوگا اور نہ کوئی مسلمان راضی ہوگا۔ اور دوسری صورت ـــ یعنی ہندوتیت کی حاکمیّت اور مسلم کی غلامی ـــ پر ہر مسلمان، موت کو ترجیح دے گا۔

حکیم مشرق، علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ تعمیر قومیّت پر حکیمانہ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"تعمیر قومیّت کا مطلب انسان کی زندگی کو عملاً ایک نئے سانچے میں ڈھالنا اور اُس کے جذبات و احساسات کی دنیا کو یکسر پلٹ دینا ہے۔ اگر اکبر کے دین الٰہی یا کبیر کی تعلیمات عوالناس میں مقبول ہو جاتیں تو ممکن تھا کہ ہندوستان میں بھی اس قسم کی ایک نئی قومیّت پیدا ہو جاتی۔ لیکن تجربہ بتلاتا ہے کہ ہندوستان کی مختلف ملتوں اور جاتیوں میں اس قسم کا کوئی رجحان موجود نہیں ہے کہ وہ اپنی انفرادی حیثیت کو ترک کر کے ایک وسیع جماعت

کی صورت اختیار کرلیں۔ ہر گروہ اور ہر مجموعہ مضطرب ہے کہ اُس کی ہیئتِ اجتماعیہ قائم رہے۔ لہذا اس قسم کا اخلاقی شعور، جو ریاستِ کے لئے کسی قسم قوم کی تخلیق کے لیے ناگزیر ہے، ایک ایسی عظیم قربانی کا طالب ہے، جس کے لئے ہندوستان کی کوئی جماعت تیار نہیں ہے۔"

(خطبہ صدارت علامہ اقبالؒ آل انڈیا مسلم لیگ اجلاس الٰہ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء)

یہ تو حکیم مشرق کا فتویٰ ہے اب حکیم مغرب کا فتویٰ سنئے۔ امریکن حکیم السیاست فاضل و عالم، پروفیسر روپرٹ ایمرسن، جو ہارورڈ یونیورسٹی میں فلسفۂ سیاسیات کے استاد ہیں اور جنھوں نے مسئلہ ہند کا نہایت گہرا مطالعہ کیا ہے، ہندوستانی ایسوسی ایشن نیویارک کے سامنے تقریر کرتے ہوئے بیان کیا:۔

"میں یہ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ مغرب کے تجربہ کی روشنی میں، نئے اور آزاد ہندوستان کی تعمیر کرنے کے لئے نیشنل ازم ایک خطرناک آلہ ہے۔ اگرچہ یہ پہلے آزادی کی چمکتی ہوئی تلوار کی حیثیت میں ظاہر ہوتا ہے لیکن یہ بہت جلد داخلاً ظلم و استبداد کی سیاہ تلوار بن جاتا ہے اور خارجاً قومی حدود داریہ... سے باہر سب سے مخاصمت و عداوت کی طاقت بن جاتا ہے۔ نیشنل ازم، یورپ میں ایک حاسدانہ اور افتراقی طاقت ثابت ہوا ہے۔ نیشنل ازم ہر شہری سے، اُس کی ساری اور غیر منقسم و غیر مشروط وفاداری نیشن اور اُس کی نیشن اسٹیٹ کے لئے طلب کرتا ہے نیشنل ازم، نیشن کو ایک حاکمیت مطلق کی

حیثیت سے قائم کرتا ہے جو نہ خارج سے کوئی مداخلت برداشت کر سکتی ہے اور نہ داخل میں کسی اختلاف کی روادار ہو سکتی ہے۔

۔۔۔۔ اگر ہندوستان میں "نیشنل ازم" کے وہی معنی ہوئے جو یورپ میں نیشنل ازم کے معنی ظاہر ہو چکے ہیں ـــــ یعنی ہر اختلاف کو ظلم، جبر اور استبداد کے زور سے کچل کر ختم کر دینا تاکہ اسٹیٹ میں کامل یکرنگی اور وحدت قائم کی جا سکے ـــــ تو ہندوستان کا مستقبل یقیناً تاریک ہے۔ لہذا "نیشنل ازم" ایسے ملک میں بھی، جہاں بہت زیادہ بنیادی اتحاد و یکرنگی ہے، ایک حاسدانہ اور افتراقی طاقت ہے۔ ہندوستان میں، اسکے لاانتہا و لامحدود اختلافات کے ساتھ، نیشنل ازم لامحدود اور لاانتہا خرابیوں اور ظلموں کا عامل ہو گا۔

"اسکے بارے میں کوئی سوال ہی نہیں ہے کہ ہندوستان کو اپنی سوشیل اور سیاسی عمارت، اپنی ضروریات اور تجربات کے لحاظ سے خود بنانا ہے، لیکن کم سے کم اس کو مغرب کے تجربہ سے بعض راہوں کے خطرات کو ضرور معلوم کر لینا چاہیئے۔ اگر مغرب کے سب سے زیادہ روشن خیال دماغوں نے اس حقیقت کو صاف دیکھنا شروع کر دیا ہے کہ نیشنل ازم ایک خطرناک اور تقاضائے زمانہ کے بالکل منافی و مخالف طاقت ہے، تو کیا ہندوستان بے پروائی کے ساتھ اسی راہ پر گامزن ہو پڑے گا؟ میں عرض کروں گا کہ ہندوستان دنیا کو جو عظیم ترین عطیہ بخش سکتا ہے وہ ایک ایسی نئی شاہ راہ کا دریافت و انکشاف ہے

جو اس کے قدیم الایام' اختلاف کو اُس کے قدیم الایام
اتحاد سے پیوند دے سکے جس کا شعور وہ پھر حاصل کر رہا ہے"
(بمبئی کرانیکل مورخہ ۱۷- اگست ۱۹۳۴ء)

عملی لحاظ سے خلاصہ بحث یہ ہے کہ ہندوستان کے حالات ایسے ہیں کہ یہ براعظم ایک متحدہ قومیت بن ہی نہیں سکتا ہے تا وقتیکہ ہندوؤں یا مسلمانوں میں سے کوئی ایک قوم غالب آ کر دوسری قوم کو پوری طاقت سے جبراً اپنی مذہبی قومیت میں داخل نہ کر لے یا دوسری قوم کو تعلیم، پروپاگنڈا اور جبر کی تمام طاقتوں کی آمیزش سے، رفتہ رفتہ' قوم غالب کے کلچر میں جذب کر کے فنا نہ کر دے۔

اخلاقی لحاظ سے، ہندوستان میں نیشنل ازم کا قلم لگانا اُن تمام خرابیوں' ظلموں اور گمراہیوں کا قلم لگاتا ہے جن کے امراض میں یورپ گرفتار ہے اور جن کے باعث اُس کا سارا سیاسی و تمدنی نظام ہلاکت کے جہنم کے کنارے آ لگا ہے۔

تیسرا سوال :- کیا اسلام' نیشنل ازم کو قبول کر سکتا ہے؟

حضرات!

ہمارے سامنے تیسرا سوال یہ ہے کہ آیا ملت اسلامیہ ہند' نیشنل ازم کو قبول کر سکتی ہے، اور کیا نیشنل ازم' اسلام کے دینی و اخلاقی' اور سیاسی و اجتماعی' نصب العین سے میل کھاتا ہے؟

اس سوال کا سادہ' سلیس' سیدھا اور سچا جواب یہ ہے کہ نہیں اور بالکل نہیں۔

نیشنل ازم، عہد حاضر کی سب سے بڑی دہریت اور بت پرستی ہے جس کی غلامی میں انسانیت اپنی گمراہی سے گرفتار ہو کر ورطۂ ہلاکت میں مبتلا ہو چکی ہے۔ اسلام اس دہریت کو مٹانے اور اس بت کو توڑنے کے لئے آیا ہے۔ نیشنل ازم سے اسلام مصالحت کرنے کے بعد، اسلام باقی نہیں رہ سکتا، بلکہ یورپ کی عیسائیت کی طرح، محض پرائیویٹ عقائد اور شخصی تصوف بنکر ختم ہو جائے گا۔

نیشنل ازم قومی اسٹیٹ کو انسانی تنظیم کی آخری ہیئت اجتماعی یقین کرتا ہے، اور اسلام خود ایک ہیئت اجتماعی ہے جس کا نہ کوئی مکانی و جغرافی حد ہے اور نہ ملکی و نسلی سرحد ہے بلکہ وہ ایمان و عمل کے اس قرآنی نظام کے ساتھ ہم زندگی ہے جو وہ دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کا نصب العین ساری دنیا اور ساری انسانیت کو رشد و ہدایت اور آسمانی سیاست کے ذریعہ، دائرہ نظام اسلام کے ماتحت لانا ہے اور ایک مثالی ورلڈ اسٹیٹ (عالمگیر سلطنت ارضی) قائم کرنا ہے جو توحید الٰہی و اخوت ایمانی پر مبنی ہو اور کتاب و سنت جس کا بنیادی دستور ہو۔ ہر انسان جو دائرہ اسلام میں ایمان و عمل کے ساتھ داخل ہوتا ہے امت محمدی کا ممبر اور عالمگیر اخوت اسلام کا رکن بن جاتا ہے، اور اس عالمگیر اسلامی سلطنت کے مشن کا مبلغ بن جاتا ہے۔ اسلام کا خیال ہے کہ جبتک ساری دنیا، سیاست اسلام کے ماتحت جمع نہیں ہوگی، انسانیت کی سلامتی و فلاح ممکن نہیں ہے۔

نیشنل ازم کا عقیدہ ہے کہ "نیشنل اسٹیٹ" انسانی وفاداری اور اطاعت کا آخری اور سب سے بڑا حلقہ ہے۔ اسلام اس کو کفر جدید قرار دیتا ہے، اور غیر اللہ کی غیر مشروط اطاعت کو حرام مطلق قرار دیتا ہے، شریعت

اسلام کے نزدیک حاکمیّت مطلق (ABSOLUTE SOVEREIGNTY) کا حق، صرف خدا کے لئے مخصوص ہے اور نیشنل اسٹیٹ، حاکمیت مطلق کے حق کی دعویدار بنکر دراصل خدائے مطلق کی جگہ، لینا اور عصرِ حاضر کا اہرمن بننا چاہتی ہے جس کا ہولناک اور مہلک نتیجہ آج یورپ کے سامنے ہے۔ اگر دنیا نے اہرمنِ قومیت کی غلامی سے نجات کی کوئی راہ نہیں نکالی تو تمدن حاضر کی تباہی یقینی ہے۔

الغرض نیشنل ازم کے عقائد، اصول، نظریہ اور عمل، اسلام کے دینی، اخلاقی، اجتماعی وسیاسی، تمام اصول وعقائد کے بالکل منافی اور خلاف ہیں۔ اسلام ان کو مٹانے اور اُن سے بنی نوع انسان کو نجات دینے آیا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر انسانیت کی محرومی وبدبختی نہیں ہوسکتی ہے کہ بنی نوع انسان کی نیشنل ازم، امپیریل ازم، فسطائیت اور سرمایہ داری اور دہریت کے خطرات سے نجات کی واحد امید۔ اسلام ـــــ کے علمبردار، خود اپنے آپ سے مایوس ہوکر، نیشنل ازم کے کفرِ جدید کے ساتھ مصالحت کرلیں۔

اسلام کے عقیدہ میں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے آخری رسول تھے اور امت محمدیؐ دنیا کی آخری امت ہے اور امتِ محمدیؐ اور ملت اسلام کے سوا، باقی دنیائے کفر، یعنی کافر ومشرک اقوام، سب بحیثیت مجموعی، ایک واحد ملت کفر ہیں۔ خود رسول اللہ نے صاف لفظوں میں ناطق فیصلہ فرمادیا ہے کہ:۔ انه لا نبی بعدی ولا امته بعدکم (تحقیق میرے بعد کوئی دوسرا، نبی نہیں ہے اور تمہارے بعد کوئی دوسری اُمت بھی نہیں ہے۔)

الکفر ملۃٌ واحدۃٌ

(ساری دنیاء کفر ایک واحد ملت ہے)

اسی مضمون کو حکیم الملت علامہ اقبالؒ نے اس طرح بیان کیا ہے
"اسلام خود ایک تقدیر ہے اور کسی دوسری تقدیر کو برداشت نہیں کر سکتا ہے" (خطبۂ الہ آباد)

"اسلام ہیئتِ اجتماعیۂ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا، اور ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کیلئے تیار نہیں۔ بلکہ، اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ ہر وہ دستور العمل جو غیر اسلام ہو نامقبول و مردود ہے"

"دین قیم" اور "قوام" قومیت اسلام

"امت مسلمہ، جس دین فطرت کی حامل ہے، اس کا نام 'دین قیمؔ' ہے۔ دین قیمؔ' کے الفاظ میں ایک عجیب و غریب لطیفۂ قرآنی مخفی ہے۔ اور وہ یہ کہ صرف دین اسلام ہی مُقوم ہے، اس گروہ کے اُمورِ معاشی و معادی کا جو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی، اُس نظام کے سپرد کر دے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ قرآن کی رُو سے حقیقی تمدنی یا سیاسی معنوں میں قوم، دین اسلام سے ہی تقویم پاتی ہے۔ یہی وجہ ہے، کہ قرآن صاف صاف اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے۔ کہ کوئی دستور العمل جو غیر اسلام ہو نامقبول و مردود ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ختم نبوّت کا انکار اور وطنیّت

" وطنیت ایک معنیٰ میں وہی حیثیت رکھتا ہے۔ جو قادیانی افکار میں 'انکار خاتمیت' کا نظریہ۔ وطنیت کے حامی بالفاظ دیگر یہ کہتے ہیں کہ اُمت مسلمہ کے لئے ضروری ہے۔ کہ وقت کی مجبوریوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنی اس حیثیت کے علاوہ جس کو قانون الٰہی ابدالآباد تک متعیں و متشکل کر چکا ہے' کوئی اور حیثیت بھی اختیار کرے۔ جس طرح قادیانی نظریہ ایک جدید نبوت کے اختراع سے قادیانی افکار کو ایسی راہ پر ڈال دیتا ہے کہ اس کی انتہا نبوت محمدیہ کے کامل واکمل ہونے سے انکار ہے۔ بعینہٖ اسی طرح وطنیّت کا نظریہ بھی اُمت مسلمہ کی بنیادی سیاست کے کامل ہونے سے انکار کی راہ کھولتا ہے۔ بظاہر نظریہ وطنیّت سیاسی نظریہ ہے اور قادیانی "انکار خاتمیت' الٰہیات کا ایک مسئلہ ہے لیکن اِن دونوں میں ایک گہرا معنوی تعلق ہے"

(بیان علامہ اقبالؒ مطبوعہ انقلاب لاہور مورخہ ۱۰۔ مارچ ۱۹۳۶ء)

ممالک اسلامیہ میں قومیت کی تحریک کے معنی

اس تعلق میں اب مجھے صرف ایک سوال کا جواب دینا ہے اور وہ یہ کہ ممالک اسلامیہ میں اس وقت جو نیشنلزم پیدا ہو رہا ہے، اسکی کیا حقیقت ہے اور وہ کہاں تک اسلام کے نصب العین کے مطابق ہے؟

ممالک اسلامیہ میں جو نیشنلزم پیدا ہوا ہے وہ دراصل یورپ کی

ہجومی قومیّت یعنی ایمپیریل ازم کے مقابلے میں۔ مسلم قوموں اور ملکوں کے داخلی اتحاد اور خارجی استقلال کے لئے وفاعی طور پر خود بخود ظہور میں آیا ہے اور ایک وفاعی قومیّت ہے۔ اُن کی حالت کی تحلیل اس طرح کی جا سکتی ہے کہ :-

(۱) ممالک اسلامیہ، ترکی، ایران، افغانستان، عراق، اور مصر وغیرہ کی قومیت دراصل یورپ کی حملہ آور ہجومی قومیت کے مقابلہ کے لئے ایک وفاعی قومیّت ہے۔ اور اضطراری حالات کی پیدا وار ہے۔

(۲) ترکی، ایران، عراق، مصر، جیسے مسلم ممالک کی غالب اکثریت مسلمان ہے۔ اور جو چھوٹی چھوٹی اقلیات وہاں ہیں وہ اہل کتاب سے ہیں جن سے، مسلمانوں کے سوشیل، ازدواجی، اور لسانی و معاشرتی تعلقات بہت قریبی ہیں۔ بنابریں ان ملکوں کی قومیت دراصل اسلام ہی کی قومیت کی ایک صورت ہے۔ اور اس سے اتحاد و استقلال و استحکام کے جو فوائد حاصل ہو رہے ہیں وہ دراصل مسلم قوموں اور سلطنتوں کو ہی حاصل ہو رہے ہیں

(۳) سوا ترکی کے کسی آزاد مسلم سلطنت نے اپنے آپ کو لادینی اسٹیٹ قرار نہیں دیا ہے۔ مصر، عراق، ایران، افغانستان، سعودی عرب، اور یمن کے کانسٹی ٹیوشن کے مطابق سلطنت کا مذہب اسلام ہے۔ خود ترکی میں بھی، سلطنت کا صیغۂ اوقاف، مساجد کے قیام کا ذمہ دار ہے اور ترکی سلطنت مسجدوں کے اماموں، خطیبوں اور موذنوں کے اخراجات کی کفیل ہے اور ان کی دینی تعلیم و تربیت کا بار بھی اٹھا رہی ہے۔ ترکی نے، قرآن کا عربی، متن کے ساتھ ترکی میں ترجمہ کر کے، سلطنت کی طرف شایع کیا ہے۔ عربی زبان کی تعلیم کو اسکولوں میں لازمی زبان ثانوی قرار دیا ہے۔ قبر پرستی کو جبراً روک دیا ہے، درگاہوں اور مزاروں کو باہر سے بند

کر دیا گیا ہے - عیسائی مشنیریوں کی تبلیغ بند کر دی گئی ہے - میشن اسکولوں میں بائیبل کی تعلیم اور حضرت عیسیٰ و مریم کی نمائش حکماً بند کر دی گئی ہے - دینیات کی تعلیم ہر بچہ اور بچی کو دی جاتی ہے - جس کا پہلا سبق یہ ہے کہ مسلمان وہ ہے جو خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرے - "ہر ترک کا فرض، وفاداری اور محبت، سب سے اول خدا کے لئے ہونا چاہیئے اس کے بعد وطن کے لئے -

(۴) بظاہر، ممالک اسلامیہ کی قومیت ایک عارضی صورت حال ہے اور یورپ کی ہجومی قومیت اور صنعت گری کے دور گذرنے کے بعد یہ یقیناً کوئی دوسری شکل اختیار کرے گی -

(۵) ممالک اسلامیہ کی قومیت کے باوجود اتحاد اسلام کی تحریک پہلے سے بھی زیادہ مضبوط تر ہو رہی ہے، اور یورپ کے جدید تمدن نے مسلم قوموں کو ایک دوسرے سے بہت قریب کر دیا ہے -

(۶) تاہم ہمیں تسلیم کرنا چاہیئے کہ مسلم قوموں کا وطنی اسٹیٹ کے اساس پر، تنظیم اسلامی نصب العین ــــ سے بہت دور ہے - لیکن امید ہے کہ مسلم اقوام، قومیت کے اُس اسٹیج سے چند سالوں میں گذر جائیں گی جن کو طے کرنے کے لئے یورپ کو کئی صدی لگا ہے اور اس سے وہ اب تک نہیں گذر سکا ہے -

اس سوال کا کہ آیا ملت اسلامیہ ہند، نیشنل ازم قبول کر سکتی ہے مختصراً یہ جواب ہے کہ :-

(۱) اولاً ملت اسلامیہ ہند، ہندوستان میں، جہاں مسلمان اقلیت کی پوزیشن میں ہیں، نیشنل ازم اختیار نہیں کر سکتی ہے کیونکہ ہندوستان میں جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے نیشنل ازم کے معنی ہندو ازم ہو گا جس کو

قبول کرکے مسلم اقلیت فنا ہو جائے گی۔

علامہ اقبال تحریر فرماتے ہیں:۔

"نیشنلزم مسلمانوں کے لئے صرف اُن ملکوں میں ایک مسئلہ بن جاتا ہے، جہاں وہ ایک اقلیت واقع ہوئے ہیں اور جہاں نیشنلزم ان سے ان کی قومی ذات کی، کامل فنا کا مطالبہ کرتا ہے۔ اکثریت کے ملکوں میں جہاں مسلمان غالب آبادی ہیں، اسلام، قومیت کے لئے جگہ پیدا کر لیتا ہے، کیونکہ وہاں اسلام اور قومیت، عملاً ایک ہی بن جاتے ہیں، لیکن اُن ملکوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، اسلام ایک مستقل کلچرل وحدت کے لحاظ سے، سلف ڈی ٹری نیشن (ملی خود اختیاریت) کا مطالبہ کرنے میں بالکل حق بجانب ہے۔ دونوں صورتوں میں، یعنی اکثریت اور اقلیت کی دونوں حالتوں میں اسلام کا مذکورہ طرز عمل اپنی ذات کے ساتھ کامل طور پر، منطقی موافقت رکھتا ہے"

(علامہ اقبال کا رسالہ احمدیت اور اسلام)

(۲) ثانیاً یہ کہ ملت اسلامیہ، چونکہ اپنے عقیدہ وعمل کے لحاظ سے نہ صرف ایک مذہب ہے، بلکہ ایک مکمل نظامِ عمرانی، ہیئت اجتماعی اور دینی سلطنت ہے، جو قرآن و سنت کے خدائی دستور اساسی پر مبنی ہے لہذا وہ کسی دوسرے دنیاوی نظام سیاست کو قبول کرکے، جس کی بنا لادینیت، و مادیت، اور غیر اللہ کی حاکمیت مطلق پر ہے، ہرگز باقی نہیں رہ سکتی ہے۔

(۳) ثالثاً ہندوستان میں ہندو اکثریت کے وجود، اور جمہوریت وفسطائیت کے خطرات کے پیش نظر، خاص ہندوستان کی مسلم قوم یعنی ملت اسلامیہ ہند

کے اپنے ملی وجود اور مفاد کے لحاظ سے[76] نیشنل ازم قبول کرنا مہلک ہوگا۔

(۴) رابعًا خود مختلف الاقوام و مختلف الملل ہندوستان کے وسیع تر مفاد کے لیے بھی نیشنل ازم مہلک ہوگا، اور پس ماندہ، مظلوم اقوام ہند کو آریائی، ورن، آشرم دھرم کی ہزاروں سال کی پرانی غلامی کے سلاسل سے نجات پانے کی جو اُمید پیدا ہو رہی ہے وہ نیشنل ازم یعنی اکثریت کے استبداد کے قیام کے بعد ختم ہو جائے گی۔

(۵) خامسًا عام عالم انسانیت کے مفاد کا بھی تقاضا ہے کہ انسانیت سوز، اور خدا بیزار قومیت کو ہندوستان میں جڑ پکڑنے نہیں دیا جائے بلکہ اس کی اصلاح کی راہ دریافت کی جائے۔

چوتھا سوال: مسئلہ ہند کی اصل حقیقت، ماہیت، نوعیت کیا ہے؟

حضرات!

آپ کے سامنے چوتھا، اہم سوال یہ ہے کہ مسئلہ ہند کی اصلی حقیقت، ماہیت اور نوعیت کیا ہے؟

تاریخ ہند کے مذکورہ مطالعہ اور موجودہ حالات کے علمی مشاہدہ سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ ہندوستان کا مسئلہ، قومی نہیں بلکہ بین الاقوامی ہے یعنی ہندوستان کا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اس ملک میں کوئی ایک متحدہ قوم یا کوئی ایک متحدہ نیشن یا کوئی ایک متحدہ ملت، یا کوئی ایک متحدہ قومیت آباد ہے، جو غلام و محکوم ہو گئی ہے اور اس کو آزاد و خود مختار کرنے کا سوال، سب کے سامنے یکساں حیثیت سے درپیش ہے۔ نہیں بلکہ اصلی و حقیقی صورت حال یہ ہے کہ ہندوستان میں زمانہ قبل از تاریخ سے

بے شمار نسلوں، قوموں، قبیلوں، ملتوں، تمدنوں، تہذیبوں، زبانوں اور مذہبوں کی یورش، یلغار اور درآمد اور آبادی کا طویل و لامتناہی سلسلہ جاری رہا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان دنیا کی قوموں، زبانوں، مذہبوں، ملتوں، اور تہذیبوں کا حقیقتاً ایک عظیم الشان زندہ Anthrapological museum یعنی بشریاتی عجائب خانہ بن گیا ہے جہاں، ہر نسل، اور ہر درجۂ تمدن، اور ہر مذہب و تہذیب اور ہر قوم و ملت کے زندہ نمونوں کی آبادی ہے - ہندوستان، ایک طبقات الامم ہے جہاں ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ طبق در طبق، اور پہلو بہ پہلو، اپنی زندگی گذار رہی ہے،

بنابریں میں اس حقیقت پر ایک مدت سے زور دیتا رہا ہوں کہ ہندوستان کا مسئلہ نہ صرف یہ کہ قومی نہیں بلکہ بین الاقوامی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ India is a world in miniature and the problem of India is the problem of the world. یعنی ہندوستان چھوٹے پیمانے پر ساری دُنیا ہے اور ہندوستان کا مسئلہ چھوٹے پیمانے پر، ساری دنیا کا مسئلہ ہے۔

جس طرح آج دنیا کے سامنے یہ سوال درپیش ہے کہ مختلف قوموں کو کس طرح آزادی و خود مختاری دی جائے اور ساتھ ہی، قومی اسٹیٹ کی حاکمیتِ مطلق کی پیدا کردہ بین الاقوامی انارکی اور قومیتوں کی ہلاک و تباہ کن جنگ سے، دنیا کو بچایا جائے اور ایسا انتظام کیا جائے کہ مختلف قومیں داخلی آزادی کے ساتھ خارجی حیثیت سے ایک بین الاقوامی قانونی و اخلاقی نظام عالمگیر کے ارکان کی حیثیت سے باہمی مکالمت و ذمہ داری کی زندگی گذاریں ورنہ بصورت دیگر دنیا مختلف قومیتوں کی حاکمیتِ مطلق

اور انانیت مطلق کی پیدا کردہ انارکی اور جنگ سے تباہ ہو جانے کی بجنسہ یہی مسئلہ ہندوستان کا ہے۔

برِ اعظم ہند کی کثرت آبادی

ہندوستان جغرافی حیثیت سے بھی ایک ملک نہیں بلکہ ایک برِ اعظم بلکہ چھوٹے پیمانہ پر دنیا ہے۔ اس کا رقبہ، روس چھوڑکر، یورپ کے برابر ہے۔ اس کے ایک صوبے کے ایک ایک ضلع کی آبادی، یورپ کے بعض مستقل اسٹیٹوں کی آبادیوں سے بھی زیادہ ہے۔ مثلاً ایک صوبہ بنگال کو لے لیجئے۔ یہاں صرف مسلمانوں کی آبادی ترکی کی آبادی سے کئی گنا زیادہ ہے۔

جغرافی رنگارنگی

جغرافیائی لحاظ سے کاشمیر شمالی یورپ کی طرح برفانی اور سرد آب و ہوا کا ملک ہے۔ اور ریگستان راجپوتانہ، سندھ اور بحر، عرب اور صحرائے اعظم کے نمایندہ ہیں۔ پنجاب کے پانچ دریاؤں کا عراق ہند، عراق عرب و عراق عجم کا ملتا جلتا ہے۔ وادیٔ گنگ و جمن، چین کے دریائے سینکیانگ اور ہوانگہو کے وادی کے مثیل ہیں۔ آسام میں چراپونجی وہ علاقہ ہے جہاں ساری دنیا میں سب سے زیادہ بارش ہوتی ہے۔ اور اسی ہندوستان میں ایسے علاقے اور ویسے خطے بھی ہیں، جہاں، سالہا سال تک ایک قطرہ بارش نہیں ہوتی ہے۔ ایسے سدا بہار، جنگل بھی ہیں جہاں سال بھر ہر طرح کی روئیدگی رہتی ہے اور ہر طرح کے درخت پائے جاتے ہیں اور ایسے بے آب و گیاہ علاقے بھی ہیں، جہاں، سیکڑوں میل تک گھاس کی ایک پتی بھی نہیں اُگتی ہے۔

وندھیاچل اور دکن کے سنگلاخی سطح مرتفع بھی ہیں اور بنگال کا ڈیلٹا بھی ہے جو سمندر پاٹ کر رفتہ رفتہ بنا ہے اور تالابوں اور دریاؤں سے بھرا پڑا ہے۔ ایسے صوبے اور ایک ہی صوبے میں ایسے ضلعے بھی ہیں جہاں ایک فصل خوب ہوتی ہے اور وہی غلہ اور دانا، دوسرے صوبے میں بالکل نہیں ہوتا ہے۔ اسی ہندوستان میں ایسے ملک بھی ہیں جہاں کے لوگوں کی غذا، چاول اور مچھلی ہے اور ایسے ملک بھی ہیں جہاں لوگوں کی غذا گندم اور لسی ہے اور پھر ایسے علاقے بھی ہیں جہاں کے لوگ گوشت کھانا پاپ سمجھتے ہیں اور ایسے خطے بھی ہیں جہاں کے لوگ، ہر جانور حتیٰ کہ سانپ اور اژدہا تک کھا جاتے ہیں۔ اور اس کی ہڈیوں کو ہار بنا کر پہنتے ہیں۔

نباتاتی حیواناتی اور تمدنی رنگارنگی

نباتاتی اور حیواناتی (   ) اعتبار سے بھی ہندوستان ایک عالمگیر زندہ باغ نباتات اور ایک عالمگیر زندہ چڑیا گھر ہے جس طرح   بوٹانیکل گارڈن (باغ نباتات) کے ایک علاقے میں ایک ملک کے پودے لگائے جاتے ہیں اور دوسرے ملک کے دوسرے علاقے میں، اور ہر پھول اور پودے کی چمن بندی علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے اسی طرح قدرت نے ہندوستان کے ایک ایک صوبے اور ایک علاقے کو دنیا کے ایک ایک پھل، پھول اور جڑی بوٹی کے لئے بطور چمن خاص مخصوص کر لیا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے عہد میں ہر ملک کے پھولوں اور پھلوں کی درآمد سے ہندوستان کو چمنستان بنا دیا تھا۔ پھر جس طرح چڑیا گھر میں ایک ایک ملک کی چڑیا اور جانور علیحدہ علیحدہ گھروں اور احاطوں میں رکھے جاتے ہیں

اسی طرح ایک ایک نوعیت و رنگ کے جانوروں اور انسانوں کی آبادیاں ہندوستان میں الگ الگ جمع ہیں۔ ایسے سُرخ و سفید کاشمیری بھی ہیں جو یورپین سفید قاموں کو مات کرنے والے ہیں اور ایسے سیاہ فام کول، سنتال اور اراؤں، اور چنڈال بھی ہیں جو حبشیوں سے ملتے جلتے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو نیم وحشی بھی ہیں اور نیم ازم یعنی بھوتوں اور جنوں کے پوجنے والے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو گیتا اور ویدانت اور اپانی شد کے فلسفہ کو مذہب جانتے ہیں۔ ایک خدا کے ماننے والے موحدین بھی ہیں اور چھتیس کروڑ دیوتاؤں کے ماننے والے مشرکین کی قوم بھی ہے۔ جات پات اور ورن کے ماننے والے بھی ہیں اور اخوت و مساوات انسانی کے علمبردار بھی ہیں۔ ایسی قومیں بھی ہیں جو خدا کی اولاد مانی جاتی ہیں اور ایسی قومیں بھی جن کو انسانیت سے خارج غلام اور شدر، چنڈال مانا جاتا ہے۔ پنجاب و سرحد میں ہندوستان کی جنگجو قومیں بھی آباد ہیں جن کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ وسط ایشیا کے مغلوں، ترکوں اور افغانوں اور گوجروں کی یادگار ہیں اور بنگالی بھی ہیں جسکو قدرت نے شعر و موسیقی اور علم و ادب کے لئے پیدا کیا ہے۔ ہمالیہ کے دامن میں منگولائیڈ نسل کی قومیں بھی ہیں اور دکن میں ڈراویڈین بھی ہیں۔ بلوچستان میں ترکمانی نسل کی قومیں ہیں تو مالابار میں عربی النسل قوم بھی آبا ہے۔ الغرض انسانی تمدن کے مختلف دوروں، مختلف طبقوں اور مختلف خلطوں کے زندہ نمونے ہندوستان کے زندہ موزیم میں جمع ہیں۔

ہندوستانی گاؤں کا کانسٹی ٹیوشن۔ بین الاقوامی عناصر کی یکجائی۔

ایک ہندوستانی گاؤں کی ساخت، ترکیب اور کانسٹی ٹیوشن پر غور کیجیے، اس سے آپ کو ہندوستان کے بشریاتی، عمرانی، اور کلچرل حالات

اور اس کی تاریخ کا اندازہ ہو جائے گا۔

گاؤں کا ایک خاص محلہ اور علاقہ، باجھن ٹولی یا برہمن واڑا کہلاتا ہے جہاں برہمن بھگوان اور چھتری ورن کے لوگ رہتے ہیں۔ اسی محلہ میں مندر بھی اور ٹھاکر باری بھی ہوتی ہے۔

گاؤں کے مسلمانوں کا محلہ ان کی مسجد کے ساتھ علیحدہ ہوتا ہے۔ گاؤں کے کہاروں، کرمیوں اور گوالوں کی آبادی عموماً الگ ہوتی ہے۔ جو کہار ٹولی یا گوال ٹولہ کہلاتا ہے۔

اسی طرح گاؤں کے ڈوم اور چمار پاسی اور دھار اور بھوئیاں الگ الگ محلوں میں رہتے ہیں۔ جو ڈوم ٹولی، چمار ٹولی، دھار واڑا اور بھوئیں ٹولی کہلاتے ہیں۔

ان تمام قوموں کی معاشرتی اور ازدواجی زندگی بالکل الگ الگ ہوتی ہے۔ ہر جات کے علیحدہ جاتک پنچایت ہوتی ہے۔ اور ان کے جداگانہ رسوم بھی ہوتے ہیں۔ ہر جاتک پنچایت کے جداگانہ چودھری بھی ہوتے ہیں۔ برہمن کی مشترکہ غلامی اور محکومیت پر عقیدہ کرم اور دھرم کے مطابق اندھے عقیدہ کے سوا ڈوموں، چماروں، اور سورج بنسی راجپوتوں میں کوئی چیز مشترک نہیں ہوتی ہے۔ گاؤں میں ان مختلف جاتیوں کے شمسان اور مرگھٹ تک علیحدہ ہوتے ہیں۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے اشتراک کا تو ذکر ہی بیکار ہے۔ ان دونوں کے عقائد، کائنات کے تصور، زندگی کے نقطۂ نظر اور معاشرت میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ جہاں ایک ہی گاؤں کے مختلف ہندو جاتیاں نہ ساتھ بیٹھ اٹھ سکتی ہیں اور نہ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر ساتھ کھانے پینے میں شریک ہو سکتی ہیں

اور نہ ایک ہی مندر میں جمع ہو کر پوجا پاٹ کر سکتی ہیں۔ اور نہ ایک دوسرے سے کسی حال میں شرعاً شادی بیاہ کر سکتی ہیں۔ وہاں اسی گاؤں میں ایک ایسی موحّد مسلمان قوم بھی ان کے پہلو بہ پہلو بستی ہے، جو صرف ایک ہی خدائے رب العالمین کی عبادت کرنے والی ہے، ایک ہی رسالت محمدیؐ کو آخری رسالت ماننے والی اور دن میں پانچ وقت ایک مسجد میں ایک ہی قبلہ کی طرف منھ کر کے ایک ہی صف میں شانہ سے شانہ جسم سے جسم اور دل سے دل ملا کر ایک ہی قرآن وکتاب اور دعا ومناجات کے ساتھ نماز پڑھتی ہے۔ یہ مسلمان "قوم" کے افراد گاؤں میں نہ صرف ایک ساتھ کھاتے پیتے ہیں بلکہ ایک شخص کے ہاں کی شادی کو گاؤں کے سارے مسلمان ایک مشترکہ تقریب سمجھتے ہیں اور اس کی کامیابی کے لئے ایک خاندان کی طرح مل جل کر کام کرتے ہیں۔

کیا اس سے یہ بالکل ظاہر نہیں ہے کہ ہندوستان کا ہر گاؤں ایک بین الاقوامی گاؤں ہے جہاں ڈریویڈین عہد کے آثار باقیہ، چمار، مہار، شدر، چنڈال اور بھوتیاں اور انکی بھوت پرستی کی صورت میں اور آرین عہد کے نمائندے برہمن اور چھتری جاتوں اور ان کی مندر کی صورت میں مسلم عہد کی یادگاریں، مسلمانوں اور انکی قبلہ رو مسجدوں کی صورت میں، اور بعض حالتوں میں برطانوی عہد کی درآمد، عیسائی چرچ کی صورت میں پہلو بہ پہلو موجود ہوتے ہیں۔ یہ ہندوستانی گاؤں دراصل بین الاقوامی گاؤں ہے، جہاں ڈریویڈین عہد، آرین عہد، مسلم عہد، اور برطانوی عہد کے زندہ تمدنی آثار، اپنی علٰحدہ انفرادیت کے ساتھ جمع ہیں۔

اس سے آپ پورے ضلع، پورے صوبے اور پورے ملک کے مختلف مسائل وعناصر کی پیچیدگی کا اندازہ کیجئے۔ اور غور فرمائیے کہ انتہائی سادگی

سے یہ فرمانا کہ ہندوستان ایک "نیشن" ہے اور اُس کا مسئلہ ایک نیشنل مسئلہ ہے، کس قدر اصلی حالات و واقعات کے خلاف ہے۔ اس کے معنی تو عملاً صرف یہ ہیں کہ آرین عہد میں جس طرح آریوں نے اس ملک میں اگر تمام اقوام کو درجۂ قومیت و انسانیت سے خارج کر کے اعلان کیا تھا کہ اگر کوئی قوم ہے تو ان کی قوم، اگر کوئی دھرم ہے تو اُن کا دھرم۔ اگر کوئی تمدن ہے تو ان کا تمدن اور اگر کوئی دنیا ہے تو اُن کی دنیا تو اس آریائی دعوی کو آج بیسویں صدی میں بھی تسلیم کیا جائے، اور ڈریویڈین عہد مسلم عہد اور برطانوی عہد کے اقوام و مسائل کو بالکل نظرانداز کر دیا جائے ـــــ اگر ایسا کیا گیا تو اس کا نتیجہ صرف یہ نکلے گا کہ جدید نیشنل ازم اور فسطائیت کے جدید حربوں سے مسلح ہو کر آرین قوم، اپنے آریائی امپیریل ازم کی تاریخ کو دہرائے گی اور تمام دوسری قوموں کو نگل کر آریائی تسلط کو ہر طاقت سے قائم کرے گی۔

نمایش گاہِ نسلیات، بشریات و لسانیاتِ ہند

ہندوستان کی حقیقی نسلیاتی، بشریاتی اور مذہبی و تمدنی کانسٹی ٹیوشن، ترکیب و ساخت کا اندازہ ایک دوسرے طریقہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ فرض کیجئے کہ "نئی دہلی" میں، انڈین موزیم کے ماہرین و فضلا کی طرف سے All India Ethnological & Anthropological Exhibition یا ایک آل انڈیا نمائش، بشریات، نسلیات، و لسانیات ہند، کا اہتمام کیا جائے۔ علماء علم الانسال و علماء علم البشر اور علماء لسانیات، سائنٹیفک اندازپر، الگ الگ ہندوستان کی ہر نسل، ہر قوم، ہر عنصر، تمدن، اور ہر زبان کے زندہ نمونوں کو ایک ہی مکان کے وسیع

نمایش گاہ میں ترتیب سے جمع کریں۔

اس بے نظیر مشاہدہ کے بعد ماہرین و علما و فضلا کو ماننا پڑے گا کہ یہ نمایش گاہ دنیا کی سب سے عجیب و غریب اور سب سے جامع نمایش گاہ ہے کیونکہ دنیا کے کسی دوسرے ایک ملک کے حدود کے اندر بشریات کی ارتقا کے اتنے درجہ بدرجہ زندہ نمونے، مختلف قدیم انسانی نسلوں کے اتنے زیادہ زندہ نمونے، اور مختلف زندہ زبانوں کے اتنے زیادہ زندہ نمونے اور مختلف ادوار ارتقاء تمدن کے اتنے زیادہ جدا جدا، زندہ نمونے جمع نہیں ہیں، جتنا قوموں، نسلوں اور مذہبوں کے موزیم ہندوستان میں جمع ہیں۔

عام ناظرین کو بھی، جو علوم بشریات، نسلیات و لسانیات کی باریکیوں سے آگاہ نہیں ہیں، یہ نمایش گاہ "قدرت کی گوناگونی، رنگا رنگی، اور اختلافات کی سب سے بڑی نمایش گاہ معلوم ہوگی اور اُن کو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ اُن کا ملک دراصل ساری دنیا کی رنگتوں، ساری دنیا کی نسلوں، ساری دنیا کی قومیتوں، ساری دنیا کی ملتوں اور تمدنوں کا جامع ہے جہاں انسانی تمدن کے ہر دور کی زندہ تاریخ اپنے زندہ نمونوں کے ساتھ موجود ہے۔

پانچ عہدوں کی زندہ یادگاریں

اس نمایش گاہ میں آپ کو "ڈراویڈین عہد" کے قبل کی نسلوں، قوموں اور زبانوں کی زندہ یادگاریں بھی ملیں گی۔ آپ اس میں نیگریٹو، منگولائیڈ، آسٹرولائڈ، میڈی ٹیرے نین اور آرمینائڈ نسلوں اور قبیلوں اور زبانوں اور اُن کے قدیم تمدنوں اور مذہبوں کو زندہ پائینگے اور یہ وہ نسلیں اور زبانیں ہیں جو آریائی عہد، بلکہ ڈراویڈین عہد کے قبل

یعنی زمانہ قبل از تاریخ سے اس ملک میں موجود تھیں۔ جبکہ اس ملک میں جات پات کا نشان بھی نہیں تھا۔ ان میں آج بھی جات پات نہیں ہے۔

اس نمائش گاہ میں آپ کو ڈراویڈین عہد کے ارتاوا، بھیا، ٹامل، ٹیلوگو وغیرہ کی نسلوں اور زبانوں کی زندہ یادگاریں ملیں گی جو آریائی عہد کے قبل سے اس ملک میں موجود ہیں اور جو آریوں کی تمدنی و سیاسی محکومی کے پہلے جات پات کے اثرات سے بالکل آزاد تھے، لیکن جو ہندو ہو کر جات پات کے سحر سے مسحور ہو چکے ہیں۔

اس نمائش گاہ میں آپ کو آرین عہد کے آریائی اقوام کی زندہ یادگاریں ملیں گی۔ اور ان کے علاوہ بہت سی غیر آریا قوموں اور نسلوں کی زندہ یادگاریں بھی جو آریوں کی آمد کے بعد اس ملک میں داخل ہوئی ہیں، مثلاً باختری یونانیوں کی نسل کے لوگ جو سکندر کے حملہ کے بعد، باختر، قندھار، اور ٹیکسلا پر قابض ہو گئے تھے مگر جن کو برہمنوں نے ہندو بنا لیا تھا۔ اسی کے ساتھ آپ کو کوشن، انڈوسی تھین، یوہی چی، قوم کے نمایندے بھی ملیں گے برہمنوں نے ان خارجی فاتحین میں سے خواص اور اُمرا کو تو راجپوت بنایا، اور عوام کو ویش اور شدر بنایا۔ انھیں میں ساکا ستراپ تھے جو سوراشٹر، مہاراشٹر اور مالوہ پر قابض تھے۔ سفید فام ہن اور گرجارا، میترکا، جاٹ، گوہی لاٹ، پاری ہارا، چوہان، چالوکیا، سولانکی گوجر، نیپالی گرکھا، آسامی، آہوم، بھوٹانی، لنگاٹٹ، دیراسیوا جیسی بے شمار زندہ نمونے ملیں گے۔

اس نمائش گاہ میں مسلم عہد کے عرب، ایرانی، ترک، مغل، افغان، ترکمان بھی ملیں گے لیکن اس طرح کہ وہ سب تمدن

اسلام میں گھل مل گئے ہیں۔ برطانوی عہد کے درآمدہ اینگلو انڈین قوم بھی آپ کو اس نمایش گاہ میں موجود ملے گی۔

آریوں کے قبل کی زبانیں زندہ ہیں لیکن سنسکرت مُردہ ہے

لیکن اس نمایش گاہ میں جو چیز آپ کو سب سے عجیب وغریب معلوم ہوگی وہ یہ ہے کہ آپ ڈریویڈین عہد کے قبل کی نیگریٹو اور آسٹریلائڈ، یعنی کول، منڈا، ناگا کی زبانوں کو اور ڈریویڈین عہد کی ٹامل، تیلوگو، زبانوں کو زندہ پائیں گے، لیکن آپ سنسکرت زبان کو کہیں زندہ نہیں پائیں گے۔ یہ ایک عجیب واقعہ ہے لیکن بالکل تاریخی واقعہ ہے کہ سنسکرت کبھی بھی ہندوستان کے کسی حصے کی عام زبان نہیں بن سکی حتیٰ کہ آریائی عہد میں بھی اس کو یہ پوزیشن حاصل نہ ہو سکی۔ یہ برہمنوں کی زبان تھی اور کچھ مدت کے بعد یہ محض ایک کتابی زبان رہ گئی۔

ہندویت کا پہلی دفعہ ایک برتر قومیت اور مذہب سے مقابلہ اور اس کا نتیجہ

اس نمایش گاہ سے آپ کو ایک دوسری عظیم الشان تاریخی وتمدنی حقیقت کا علم ہوگا وہ یہ کہ ہندوستان میں آریوں کی آمد کے بعد جتنی قومیں، زبانیں اور ملتیں حاکمانہ، فاتحانہ یا مہاجرانہ شان سے داخل ہوئیں رفتہ رفتہ ہندو تمدن کے رنگ میں رنگ کر راجپوت۔ دتیش۔ یاشدر بن گئیں، اور اپنی جداگانہ ملّی انفرادیت کھو بیٹھیں، لیکن اسلام، ایک فاتحانہ وحاکمانہ شان کے ساتھ، ہندوستان میں داخل ہوا، آٹھ سو

سال تک اس نے اس ملک میں حکومت کی۔ کروڑوں ہندوؤں کو اسلام کے مذہب میں داخل کیا۔ کروڑوں کو اسلامی تمدن سے متاثر کیا۔ خود ہندوؤں میں بہت سی اصلاحی تحریکوں کو پیدا کیا۔ اور ہندوستان میں ہندوازم کے مقابلہ میں مستقل، قومیت، مستقل زبان، مستقل شریعت، اور مستقل جمہوری معاشرت کی بنیاد رکھی، جو اسلام کے اصول عالمگیریہ مبنی ہے اور جو روز بروز اپنا دائرۂ اثر و عمل وسیع سے وسیع تر کرتی جاتی ہے واقعہ تاریخی یہ ہے کہ ملت اسلامیہ ہند کے سوا، ہندوازم کے چیلنج کا کوئی دوسرا کامیاب جواب اس ملک میں نہیں ہے۔ ہر فاتح قوم اکال الامم ہندویت کے پیٹ میں ہضم ہوکر، اپنی منفرد ہستی کھو بیٹھی، لیکن علمبرداران اسلام چند ہزار کی تعداد میں آئے اور نہ صرف یہ کہ اپنی ہستی علحدہ قائم رکھی، بلکہ ہندوازم کے پیٹ سے کروڑوں افراد کو کھینچ کر، ملت اسلامیہ ہند کے لئے جذب کر لیا۔ اسلام کے فتوحات کا یہ عالم ہے کہ بقول سر ہری سنگھ گوڑ، سابق وائس چانسلر ناگپور یونیورسٹی، سو برس کے اندر اندر، اسلام ہندوازم کو نگل جائے گا۔ ہندو کی تعداد دن بدن گھٹ رہی ہے اور مسلمان کی تعداد و طاقت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔

ہندوستان میں آریوں کی آمد کے بعد سے، پیروانِ اسلام کے سوا۔ کوئی دوسری ایسی ملت داخل نہیں ہوئی تھی جو ہر لحاظ سے ہندوؤں سے برتر و فائق تر ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ماقبل کی تمام فاتح اقوام رفتہ رفتہ ہندویت کی جات پات کے نظام سے مفتوح ہو کر مٹ گئیں لیکن مسلمان اس ملک میں فقط جسمانی طاقت، فوجی صلاحیت اور سیاسی قابلیت ہی میں ہندو سے فائق ہو کر نہیں آئے جیسا کہ ہن، سی تھین،

کوشن۔ گوجر، جاٹ اُن کے پہلے آچکے تھے، بلکہ ہندویت کے مقابلے میں ایک برتر مذہب حق، ایک برتر جمہوری سوسائٹی، ایک برتر شریعت ایک برتر عالمگیر اخوت و قومیت دینی، اور ایک برتر و زندہ تر زبان ایک برتر کتاب و سنت، ایک برتر تاریخ و روایت ایک برتر علم و فن اور برتر تمدن و تہذیب، لے کر آئے، اور اپنی ظاہری و باطنی طاقت سے نہ صرف جسم ہندوستان پر چھا گئے، بلکہ ہندوستان کے دل و دماغ کو بھی فتح کر لیا۔

ہندویت کی تحلیل و تجزیہ کے عمل کا آغاز

نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں مسلمانوں کی آمد کے پہلے بڑی بڑی عظیم الشان جنگجو قومیں، ہندویت کے پیٹ میں ہضم ہو گئی تھیں، وہاں ایک بالکل دیگر اور متضاد عمل شروع ہو گیا۔ ہندویت کے پیٹ میں ہضم ہونے کی جگہ خود ہندویت رفتہ رفتہ، اسلامیت کے پیٹ میں ہضم ہونا شروع ہو گئی کیونکہ پہلی دفعہ تاریخ ہند میں ہندویت کے آمنے سامنے فاتحانہ انداز میں ایک ایسی ملت و تہذیب، سوسائٹی اور قومیت آکر قائم ہوئی جو ہر چیز میں، ہندویت سے مضبوط تر، اور برتر تھی اور جس کے سامنے ہندویت کا جامد جسم خود بخود پگھلنے لگا۔ نہ صرف یہ کہ آریوں کے مفتوح اچھوت لاکھوں کی تعداد میں اسلام میں داخل ہوئے۔ بلکہ لاکھوں راجپوت اور اعلیٰ جات کے ہندو بھی بے اختیار اسلام کی طرف کھچے چلے آئے۔ اس سے زیادہ یہ کہ ہندویت کا ہزار سالہ خفتہ ضمیر اسلام کی اذان سے بیدار ہوا، نعرۂ توحید کی آواز بازگشت پیدا ہوئی۔ آریائی بت پرستی، اور جات پات کے خلاف ردعمل شروع

ہوا۔ کبیر پنتھ، لنگایت پنتھ، نانک پنتھ، چیتن پنتھ، دیو سماج، آریہ سماج برہم سماج، اور ست سماج، جیسی اصلاحی تحریکات شروع ہوئیں جو صرف اسلامی توحید، اسلامی اخوت اور اسلامی جمہوریت کے اثر سے پیدا ہوئیں۔

اس نمائش گاہ کے علمی مشاہدہ سے ایک دوسری حقیقت کا بھی انکشاف ہوگا وہ یہ کہ اگرچہ آریائی جات پات کے نظام نے بہت سے اقوام کو مغلوب کرکے ہندویت میں جذب کر لیا اور ان کو اچھوت اور سچھوت بناکر، ہندو سوسائٹی کے غلاموں کے درجہ میں گرا دیا، لیکن ہندویت نہ ان مفتوح قوموں کو پوری طرح فنا کر سکی اور نہ اُن کی انفرادیت کو پوری طرح مٹا کر، بالکل ہندویت کے رنگ میں رنگ سکی۔ مدنی و سیاسی اعتبار سے ان کو محکوم ضرور بنا لیا گیا، لیکن ہندوازم کا ان کو مکمل اور حقدار ممبر کبھی نہیں مانا گیا، اور یہ بات ان کے لئے در پردہ رحمت ثابت ہوئی کیونکہ آج وہ اسی بنیاد پر جداگانہ سیاسی حق نیابت حاصل کرکے، اپنی کامل آزادی کا اعلان کر رہے ہیں۔ اور اگر وہ راجپوتوں کی طرح پوری طرح ہندویت میں جذب ہو کر فنا ہو جاتے تو پھر اُن کی نجات ذرا مشکل ہوتی۔

آزادی ہند کے مسئلہ کی نوعیت

آزادی ہند کا مسئلہ ایک متحدہ نیشن کی

آزادی کے مسئلہ کی طرح ایک سادہ اور آسان مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک پیچیدہ ترین اور نہایت جامع، ہمہ گیر، اور وسیع مسئلہ ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کس طرح سیاست کا وہ نظام قائم کیا جا سکتا ہے جس میں ڈریوڈین عہد، آرین عہد، مسلم عہد اور برطانوی عہد تاریخ

کی تمام اقوام وملل وطبقات ہند کو زندہ رہنے، ترقی کرنے اور حکومت کرنے کے اختیارات اور آزادیاں حاصل ہوں۔ آزادی کے فلسفہ، معنی اور اقسام کو میں اپنے کلکتہ لیگ کے خطبہ ۱۹۳۷ء میں اچھی طرح واضح کرچکا ہوں۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ مسئلہ ہند ایک پرپیچ ترین بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ براعظم ہند کی مختلف ملتوں اور قوموں، مختلف صوبوں اور علاقوں کو کس طرح ایسی آزادی دی جائے کہ وہ اپنی صلاحیت کے مطابق آزادانہ ترقی کرسکیں، اور ساتھ ہی اس کی گارنٹی کیجائے کہ وہ مختلف اقوام انارکی اور جنگ قومیت سے تباہ نہ ہوجائیں۔

قومی آزادی، سیاسی آزادی، تمدنی خودمختاری، معاشی آزادی اور معاشرتی آزادی، مالیاتی اور محصولاتی آزادی اور شرعی ومذہبی آزادی کے وہ تمام مختلف مسائل، جو روس، امریکہ، یورپ، مصر، افریقہ اور چین وجاپان میں درپیش ہیں۔ ہندوستان میں اپنی اپنی جداگانہ نوعیت وشدت کے ساتھ یکجا جمع ہیں

ہندوستان میں مغربی یورپ کی متحد اللسان، متحد النسل، متحد الملت اور متحد القومیت، قومی اسٹیٹوں کے دستورات کی نقل کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ ایک غالب عددی اکثریت والی ملت، ملک وسلطنت کی مالک ومختار اور حاکم وآمر مطلق بن کر تمام دوسری ملتوں کو اپنا غلام بنالے گی اور قومی آزادی کے معنی، سفید فام آقاؤں کی رنگین آقاؤں سے تبدیلی نہیں ہیں۔ جس نظام میں ایک کی آزادی، دوسرے کی غلامی ہو وہ آزادی کا نظام نہیں ہے۔

مثلاً ہندو اونچ جاتیوں کی آزادی کے معنی، اگر مسلم قوم کی غلامی ہو تو یہ آزادی کا نظام نہیں بلکہ ایک قوم کو دوسری قوم پر حاکمانہ وظالمانہ تسلط قائم کرنے کا نظام ہے۔ اس کا ثبوت کانگریسی وزارتوں کی سنگل پارٹی گورمنٹ کے دور استبداد سے مل چکا ہے۔

اسی طرح اگر آزادی کے معنی، مدراس کی پانچ فیصدی برہمنوں اور آریوں کی قوم کا تمدنی، سیاسی و معاشی اثرات کے ماتحت، پچانوے فیصدی غیر آریا قوموں پر سیاسی حاکمیت کا تسلط قائم کرنا اور اُن پر آریائی ہندی زبان اور آریائی کلچر کو کریمنل لا امنڈمنٹ ایکٹ، اور لاٹھی چارج اور جیل کے ذریعہ زبردستی مسلط کرنا ہے، تو اس آزادی میں اور قدیم آریوں کے ہندوستان کو فتح کرنے اور قدیم غیر آریوں کو جات پات کے نظام کے ماتحت غلام بنانے کے عمل میں کون سا فرق ہے؟

اسی طرح اگر بہار کے آرین ہنود کی اکثریت، چھوٹا ناگپور کے غیر آریا آدی باسیوں یعنی کولوں، منڈوں، اراؤں اور سنتالوں، پر بہار کی قانون ساز مجلس کے ذریعہ حکومت کر رہی ہے تو اس کو بہار کے آرین ہنود کی آزادی تو کہہ سکتے ہیں، لیکن چھوٹا ناگپور کے آدی باسیوں کی آزادی کہنا غلط ہوگا۔

گجرات کے گجراتی، اگر سردار پٹیل، اور مسٹر گاندھی کے زیر اثر بمبئی پر حکومت کر رہے ہیں تو اس کو مہاراشٹر کی آزادی کہنا درست نہیں ہوگا۔

اور اگر اونچ جاتیوں کے ہندو، اپنی تمدنی و معاشی بالادستی کے باعث، کروڑوں اچھوتوں اور کروڑوں سچھوتوں پر، من مانی حکومت

کر رہے ہیں تو اس کو اچھوتوں اور تچھوتوں کی آزادی کہنا غلط ہوگا
یا اگر سرمایہ داروں کی جماعت، اپنے دور رس اثرات کے باعث،
حکومت کی مشنری پر "بیلاٹ باکس" کی راہ سے قابض ہوگئی اور اس نے
ملک کے قانون، نظم ونسق، محصولاتی وتامینی پالیسی کو اس انداز پر چلایا
کہ اُس سے اُن کی صنعتوں اور تجارتوں کو، خاص فوائد حاصل ہوں،
تو نہ تو یہ ساری قوم کی آزادی ہے اور نہ مزدوروں اور CONSUMERS
کی آزادی ہے۔

اسی طرح اگر احمد آباد، بمبئی اور گجرات کے سرمایہ دار، بنیا، ہندوستان
کی مرکزی حکومت پر قابض ہوگئے۔ اور انہوں نے ممالک غیر سے آنے
والے مال پر، اپنی اپنی خاص صنعتوں کی حفاظت کے لئے، بھاری
سے بھاری چنگی اور درآمد کی ڈیوٹی لگانا شروع کردیا تو اس سے بھی بمبئی
اور گجرات کے صنعتی صوبے اور وہاں کے سرمایہ داروں کو یقیناً خصوصی
فائدہ ہوگا۔ لیکن یہی فائدہ، پنجاب، سرحد وسندھ وبلوچستان وبنگال
جیسے زراعتی صوبوں کا نقصان ہوگا۔ اور اگر گجراتی بنیوں کی یہ حاکمیت
کچھ عرصہ قائم رہی تو پنجاب جیسے زراعتی ملک، مالی، تجارتی وصنعتی
لحاظ سے بالکل دیوالہ ہوجائیں گے۔

اس سے آپ کو بخوبی معلوم ہوگیا کہ ہندوستان نہ ایک متحدالقومیت
ملک ہے اور نہ اس کی آزادی کا مسئلہ ایک آسان مسئلہ ہے۔ یہ ایک
مختلف الملل ومختلف القومیت بین الاقوامی براعظم ہے اور اس کا مسئلہ
بین الاقوامی آزادی کا مسئلہ ہے۔

پانچواں سوال :- مسئلہ ہند کا آخر کونسا مناسب حل ہے؟

حضرات!

مسئلہ ہند کی عظیم الشان وسعت، اور پیچیدگی کی نوعیت کا کچھ علم حاصل کرنے کے بعد، اب ہمارے اور آپ کے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ آخر مسئلہ ہند کا کون سا مناسب حل ہے؟

نیشن اسٹیٹ سسٹم؟ کیا ہندوستان کو ایک "نیشن اسٹیٹ" کی صورت میں تعمیر کرنا، مسئلہ ہند کا حل ہے؟ تاریخ، واجتماعیات و بشریات ہند، اور اس کا جغرافیہ ماضی اور حال کے حالات، سب بالاتفاق جواب دیں گے کہ متحدہ قومیت کے اساس پر، ہندوستان میں ایک نیشن اسٹیٹ کی تعمیر کرنا نہ صرف ناکام ہوگا، بلکہ زاریت، نازیت، اور فسطائیت کے تمام اہرمنی مفاسد اور جہنمی مظالم کے لئے، ہندوستان کو تیار کرنا ہوگا۔

فیڈریشن سسٹم؟ کیا ممالک متحدہ امریکہ کے طرز کا "فیڈریشن" ہندوستان کے مسئلہ کا حل ہے؟

میرا جواب ہے کہ نہیں۔ فیڈریشن بھی نیشن اسٹیٹ کی ایک صورت ہے اور کسی ایسے ملک میں اس کا کامیاب ہونا محال ہے جہاں کوئی متحدہ ومشترکہ نیشن ہی کا وجود نہیں ہے۔ میں اس کے متعلق آگے تفصیل سے بحث کرونگا۔

کانٹون سسٹم؟ کیا سوئٹزرلینڈ کی ہیئت ترکیبی، جس کو کانٹون سسٹم کہتے ہیں، جسم ہندوستان پر چسپاں آسکتی ہے؟

میں آگے آپ کے سامنے عرض کردوں گا کہ نہیں یہ بھی "نیشن اسٹیٹ" کی تعبیر کی ایک خاص صورت ہے اور ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ نیشن اسٹیٹ کا کوئی جامہ قامتِ ہند کے لئے موزوں نہیں۔

مساوات سسٹم؟ کیا جوگوسلاویا کا نظام سلطنت، ہندوستان کے لئے موزوں ہو سکتا ہے جس کے ماتحت سرب قوم، اور کروٹ قوم کو، ایک متحدہ سلطنت میں، باوجود علی الترتیب اکثریت و اقلیت ہونے کے، بالکل مساوی حقوق، ہر معاملے میں حاصل ہیں؟

ہندوستان کے حالات ایسے ہیں، اور اجارہ داری کی جڑیں اس ملک میں اتنی گہری اور مضبوط ہیں کہ بظاہر اس کی کامیابی کی صورت بھی نظر نہیں آتی۔

سوویٹ یونین سسٹم؟ کیا بالشویک روس کا سوویٹ یونین سسٹم ہمارے درد کا درماں ہو سکتا ہے؟ میرا خیال ہے کہ یہ درماں بھی ہمارے درد کی افزائش کا باعث ہوگا۔

تقسیم ہند کی اسکیم؟ تو پھر کیا، آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لاہور کی منظور کردہ "تقسیم ہند" کی اسکیم کے سوا، اور کوئی صورت مسئلہ ہند کے مناسب حل کی نہیں ہے؟

میں عرض کروں گا کہ ہندوستان کے سیاسی و عمرانی حالات ایسے ہیں کہ تقسیم ہند کے سوا، اور کوئی راہ، اس ملک کے سیاسی مسئلہ کے حل کی اس وقت نہیں ہے، لیکن تنہا تقسیم اس ملک کے لئے مفید نہیں ہوگی، اگر اس کے ساتھ، مختلف ملتوں کے ملی حقوق

اور مذہبی پوزیشن کی حفاظت کے لئے کافی سیاسی سامان اور تدابیر اختیار نہیں کی گئیں۔

تقسیم ہند اور ملت سسٹم کی ترکیب ہندوستان کے مسئلہ کے مناسب حل کیلئے تقسیم ہند اور "ملت سسٹم" کی باہمی ترکیب کی ضرورت ہوگی؟ یہ ملت سسٹم کیا ہے اور اس سے کیا مراد ہے اور اس کی کیا تاریخ ہے۔ میں آگے عرض کروں گا۔ آپ ذرا اس وقت تحمل سے کام لیں۔

ملت اسلامیہ ہند کی قومیت کے اساسات

میں اس وقت آپ کی توجہ، عمرانیات ہند کی سب سے بڑی اور سب سے اہم حقیقت کی طرف مبذول کراؤں گا۔ اور وہ حقیقت، مسلمانان ہند کی جداگانہ اور مستقل اسلامی قومیت کے وجود کی حقیقت ہے۔ اسلام خود دنیا کی سب سے بڑی قومیت ہے۔ ہندوستان کے دس کروڑ کلمہ گویان اسلام کی قومیت کا مقوم بھی اسلام ہی ہے، لیکن اس برّاعظم ہند میں ان کی آٹھ سو سال کی تاریخ اور حکومت اور ایک ہزار سال کی معاشرت نے ان کی قومی زندگی کے چند خصائص کو واضح کر دیا ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی قومیت کے اساسات کو اچھی طرح معلوم کرنا ضروری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ برّاعظم ہند میں، مسلمانوں کے علاوہ اور کوئی دوسری جماعت ہی نہیں ہے، جس پر پوری طرح "قومیت" کی تعریف صادق

آتی ہو، یا جو قومیت کے خصائص رکھتی ہو، یا جو ماضی میں ایک صاحب سلطنت قومیت رہ چکی ہو اور حال میں بھی ایک متحدہ، مضبوط، اور طاقتور قومیت ہو اور آیندہ بھی ایک صاحب سیف دمیزان قومیت بننے کا یقین، عزم اور ارادہ رکھتی ہو۔

حکیم الاسلام علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں :-

"اس سے انکار ناممکن ہے کہ ایک اخلاقی آئیڈل (نصب العین) اور ایک نظام عمران وہیئت اجتماعی کی حیثیت سے ——— (اور اس سے میرا مراد، ایک ایسی اجتماعی ملت ہے، جس کو ایک خاص قانونی نظام نے منضبط کیا ہے اور جس میں ایک مخصوص اخلاقی آئیڈل نے جان ڈالی ہے) ——— مسلمانانِ ہند کی تاریخ حیات و ارتقا میں اسلام، اصلی تعمیری عنصر رہا ہے۔ اسلام نے ہندوستان کے مسلمانوں کو وہ اساسی جذبات، بنیادی عقائد و تعلقات، اور اصلی وفاداریاں اور وابستگیاں مہیا کی ہیں، جو منتشر فردوں اور گروہوں کو بتدریج متحد کرتی ہیں اور بالآخر ان کو ایک معین و مخصوص "قومیت" کی صورت میں تشکیل کرتی ہیں اور جو ایک مخصوص اخلاقی شعور و احساس کی مالک ہوتی ہے۔ حقیقتاً یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ ہندوستان دنیا میں وہ تنہا ملک ہے، جہاں اسلام ایک "قوم" بنانے والی تعمیری طاقت کی صورت

میں سب سے بہترین و کامیاب ترین انداز میں ظاہر ہوا ہے۔"

برادران اسلام !

مسلمانان ہند نے اپنی ملّی زندگی کو ملّی "انا" اور ملّی "خودی" کی نگاہِ خود بیں سے اب تک دیکھنے کی کوئی کوشش ہی نہیں کی ہے۔ لیکن یہ ملّی خود بینی، و ملّی خود شناسی، و ملّی خود آگاہی، ملّی خود یابی کی شرط اول ہے۔ لازم اور ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ کو اُس نگاہِ کامل سے دیکھیں جو اسلام کی ہندوستان میں ہزار سالہ تاریخ، اور اس کے حال کے علاوہ، اُس کے آئندہ کو بھی، ایمان، حق، اور بصیرت کی نظر سے دیکھ سکے۔ میں علماء و محققین کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ ہندوستان میں ملّت اسلامیہ کی قومی زندگی کی حقیقت کا علمی مطالعہ فرمائیں۔

میرے خیال میں، ملّتِ اسلامیۂ ہند کی جداگانہ قومیّت کے اساسات محکم ترین اساسات ہیں، جو کسی قوم کے آج تک ہوئے ہیں۔ ان کی تفصیل مطابق ذیل ہے:۔

دینِ اسلام کے روحانی عقائد کی وحدت کا اساس

(۱) دین اسلام کے روحانی عقائد، کائناتی تصور، عمومی نقطۂ نگاہ، بالخصوص عقیدہ توحید ربانی کی پیدا کردہ وحدت کا اساس۔

ہر مسلمان، کلمہ گو، خواہ وہ کسی رنگ اور کسی نسل کا ہو، کائنات کی اصل و ابتدا، اور زندگی کے مقصد کے متعلق ایک خاص نقطۂ نگاہ اور ایک خاص تصور رکھتا ہے۔ اسلامی توحید ایک خاص اور معیّن عقیدہ ہے جو ہماری ساری باطنی اور ظاہری زندگی کو ایک خاص تشخص اور تعیّن عطا

کرتا ہے اور ہم کو ساری دنیا کی قوموں سے، حتیٰ کہ دوسری ملّت کے موحدین سے بھی ممتاز کرتا ہے۔ اسلامی توحید، انسانوں کے مادی اختلافات کو مغلوب کر کے، اُن میں ایک ربانی اخوّت کی بنیاد پر وحدت، پیدا کرنے والی طاقت ہے۔ اور اس لحاظ سے کوئی دوسرا عقیدہ، اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ خدا ایک ہے اور ایک خدا کے ماننے والے مسلمان آپس میں ایک ہیں اور بھائی بھائی ہیں۔ یہ ایک سادہ ترین خیال ہے لیکن اس سے زیادہ طاقت رکھنے والا کوئی دوسرا خیال انسانی تمدن کی تاریخ میں پیدا نہیں ہوا۔

ملّت اسلامیۂ ہند کی قومیت اسی بنیادی واساسی عقیدۂ حیات پر مبنی ہے۔ جو شخص اسلامی توحید کو قرآن وسنت کی تعلیم کے مطابق مانتا ہے، مسلمان ملّت میں ہے، اور جو نہیں مانتا ہے، ملّت سے خارج اور کافر ہے۔ یہ صاف اور مضبوط حدبندی ہماری قومیّت کی ہے۔

رسالت محمدیؐ کی "خاتمیت" اور امّتِ محمدیؐ کی "خاتمیت" کی وحدت کا اساس

۲۔۔۔ حضرت محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور خاتمیت پر ایمان۔ اور حضرت رسول رحمۃ اللعالمین کی ذات سے عام عقیدت ومحبت کی پیدا کردہ وحدت کا اساس۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے آخری رسول دینی اور امت محمدی کو آخری امت ماننے کے عقیدہ نے، مسلمانوں کی قومیّت

کے حدود اربعہ کو اور بھی معین و مشخص کر دیا ہے۔ حق یہ ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ اگر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیا قرار دیتا ہے تو، امت محمدیؐ کو خاتم الامم بھی قرار دیتا ہے۔ خود حضرت ختمیت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ ایھا الناس انہ لا نبی بعدی ولا امۃ بعدکم (یعنی اے لوگو، میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں ہے اور تمھارے بعد کوئی دوسری امت نہیں ہے) تم آخری امت اور ساری دنیا کے لئے آئیڈیل، اسوہ اور نمونہ ہو۔ خود ارشاد خداوندی ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

ملت اسلامیہ، تمام انسانوں کے لئے نمونہ اور مثالی امت ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، رسالت اور سنت، امت محمدی کیلئے نمونہ، مثال اور اسوہ اصلی ہے۔

قومیت اسلامیہ کی تاسیس کے لئے، اجتماعی اور سیاسی لحاظ سے، عقیدہ توحید سے بھی زیادہ اہم **عقیدہ خاتمیت رسالت** حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ۔ اور اُن کی شخصیت سے والہانہ عقیدت و محبت کا جذبہ عام ہے۔

از رسالت در جہاں تکوین ما | از رسالت دین ما آئین ما
در شبستان حرا خلوت گزید | قوم، و آئین و حکومت آفرید
قلب مومن را کتابش قوت است | حکمتش حبل الورید ملت است
زندگی قوم از دم او یافت است | ایں سحر از آفتابش تافت است
رونق از ما محفل ایام را | او رسل را ختم و ما اقوام را

دل ز غیر اللہ مسلمان برکند
نعرۂ لا قوم بعدی می زند

جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اور امت محمدی کی خاتمیت کو مانتا ہے مسلمان ہے اور جو نہیں مانتا ہے وہ ہرگز مسلمان نہیں ہے یہ عقیدہ قومیت اسلام کی دوسری بڑی حد ہے۔

شریعت اسلام کے مکمل دستور حیات کی پیدا کردہ، وحدت کا اساس

(۳) ملت اسلامیہ، ملّت عیسوی کی طرح ایک بے شریعت ملّت یا رہبانیت نہیں ہے۔ بلکہ ایک مکمل ضابطۂ زندگی، ایک مکمل تقویم حیات، ایک مکمل دستور تمدن اور ایک مکمل نظام عمران، اور ایک مکمل آئین سیاست اور ایک مکمل قانون معاشیات ہے۔ شریعت اسلام کے قوانین، عقائد و عبادات، اخلاق و معاملات، تدبیر منزل و سیاست مدن، معاشیات و مالیات اور معاش و معاد کے متعلق ہر چیز پر حاوی ہیں اور انسان کیلئے ہر حالت و حیثیت کے مطابق مختلف حقوق و فرائض، حرام و حلال، جائز و ناجائز کا تعین کرتے ہیں اور خیر و شر، نیک و بد، محمود و مذموم کے متعلق صاف صاف تعلیم پیش کرتے ہیں۔

اجتماعی نقطۂ نگاہ سے قانون، چیزوں کی تعریف، تعین، تخصیص و تشخیص کرنے والی طاقت ہے۔ یہ زندگی کے حدود کو معین، اور افراد قوم کے تعلقات کو مستحکم کرتا ہے۔ شریعت اسلام، الہام ربانی، عدالت اور حکمت نبوی پر مبنی ہے اور اس کا مقصود شرافت انسانی کی حفاظت اور سعادت انسانی کی ترقی ہے۔ شریعت اسلام نے مسلمانوں میں ایک مخصوص قانونی، اجتماعی اور سیاسی ضمیر و ذہنیت پیدا کر دیا ہے۔ جو ان کی قومی فطرت میں داخل

ہو چکی ہے۔ ملّت اسلامیہ ہند کو ایک قوم بنانے میں اسلامی قانون کے حدود نے عظیم الشان حصّہ لیا ہے۔

اسلام کے عمومی اخلاقی شعور و احساس کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

۴ ـــــ اسلام کے عمیق ترین، بنیادی اخلاقی شعور و اخلاقی احساس کی وحدت کا اساس۔

اسلامی نظام شریعت میں 'دین' اخلاق، اور سیاست تینوں کے قوانین ممزوج ہیں کیونکہ زندگی بھی دینی، اخلاقی، اور سیاسی لحاظ سے ایک مخلوط مرکب اور ممزوج حقیقت ہے۔ حقیقی زندگی میں اخلاق، اور سیاست کے حدود کا علحدہ علحدہ رکھنا مشکل ہے۔

اسلام کے بنیادی عقیدہ کے مطابق، یہ آسمان و زمین کا نظام عبث اور بے کار نہیں ہے بلکہ خالق کائنات نے اس سارے کارخانۂ ارضی و سماوی کو ایک عظیم الشان اخلاقی نصب العین اور مقصد کے ساتھ، حکمت پر تعمیر کیا ہے۔

اس عقیدہ نے عام مسلمانوں میں، کائنات میں اُن کے خاص مقام اور مقصد کے متعلق ایک خاص اخلاقی احساس و جذبہ پیدا کیا ہے۔ اور قومیت اسلام کا یہ احساسِ اخلاق، ایک زبردست اساس ہے۔

توحیدِ قبلہ کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

۵ ـــــ ملّت اسلام کے واحد قبلہ کعبۃ اللہ مکہ معظمہ کی طرف جہت

عام کی پیدا کردہ وحدت کا اساس۔

مسلمانوں کا ہر ملک اور ہر حصۂ دنیا میں ایک ہی قبلہ ہے اور وہ کعبۂ مکرمہ مکہ معظمہ ہے۔ ہندوستان کے ہر گوشے کے مسلمان، خیبر سے راس کماری اور بندر جیوانی سے رنگون تک نماز اسی قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھتے ہیں۔ ان کی نماز ادا ہی نہیں ہو سکتی ہے تاوقتیکہ وہ کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے کھڑے نہ ہوں اور اپنی توجہ ایک خاص "نیت" کے ساتھ بیت الحرام کی طرف نہ کریں جس کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ نے مل کر رکھی تھی اور جس کی تطہیر و تکمیل کا کام حمیت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے انجام دیا۔ مسلمانانِ ہند کی تمام مسجدیں، کعبۂ مکہ کے رخ پر اس کو قبلہ قرار دے کر تعمیر کی گئی ہیں۔ مسلمان ان میں دن میں پانچ مرتبہ جمع ہوتے ہیں اور کعبہ شریف کی طرف اپنی نیتوں میں توجہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔

یہ توحید قبلہ مسلمانوں میں عظیم الشان یکجہتی، یکسوئی اور یکدلی پیدا کرتا ہے جو اس زمین کی کسی دوسری قوم کو حاصل نہیں ہے۔ نہ عیسائی و موسائی توحید قبلہ کی نعمت رکھتے ہیں اور نہ ہندو اور بدھ کوئی ایک متحدہ قبلہ رکھتے ہیں۔ اور نہ کوئی اور دوسری قوم اپنا عالمگیر و مشہور ملی مرکز رکھتی ہے جو اس کی ملی زندگی کا اس طرح محور ہو جس طرح کعبۂ مکرمہ مسلمانوں کا ہے۔

کلمہ اور شعائرِ اسلامی کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

۶۔ کلمۂ شہادت، روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، جمعہ و جماعت، عیدین اور دیگر مسلم تقریبات جیسے معین ادارت و اجتماعی شعائر کی پیدا کردہ حیرت انگیز وحدت کا اساس۔

اسلام کے کلمۂ قومیت ـــــ لا الٰہ اللہ محمد رسول اللہ ـــــ دنیا کے اختلافات کو مٹانے اور ایک حیرت انگیز اتحاد پیدا کرنے والا جادو کا کلمہ ہے۔ اس کلمہ کے پڑھنے کے ساتھ دوئی کے تمام پردے چاک ہو جاتے ہیں اور ایک چین کے انسان کا دل ایک مراکش کے انسان کے دل سے مل جاتا ہے۔ ایک سرحدی افغان کا دل ایک مالاباری موپلا سے مل جاتا ہے ایک سفید فام فرنگی ایک سیاہ فام زنگی اور ایک سیاہ فام حبشی کا قلبی دوست بن جاتا ہے۔

نماز، روزہ اور شعائر اسلام، عقیدہ، عمل اور عبادت کی وحدت کے ذریعہ انسانوں کو ایک خدا کے سامنے جھکا کر باہم متحد کرنے والی کیمیا وی طاقت ہیں۔ اس کیمیا نے ہندوستان میں بے شمار مختلف نسلوں اور زبانوں کے لوگوں کے باہمی اختلافات کو مٹا کر اور ان کو ایک "خدائی رنگ" میں رنگ کر ایک قومیت میں ڈھال دیا ہے۔

کلمہ ـــ "السلام علیکم" ـــ کی کلید اخوت اور اس کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

۷ ـــ کلمۂ "السلام علیکم" کی پیدا کردہ عظیم الشان وحدت کا اساس۔ سنتِ نبوی کے مطابق، ہر مسلمان کو اپنے بھائی کو سلام کرنے میں سبقت کرنی چاہیے۔ سوار کو پہلے سلام کرنا چاہیے، آنے والے کو پہلے سلام کرنا چاہیے۔ استادہ کو پہلے سلام کرنا چاہیے۔ لیکن سلام کرنے میں جو شخص بھی سبقت کرے گا وہ زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔

بظاہر ان سادہ ترین تعلیمات کو اجتماعیات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن میں عرض کروں گا کہ سلام کے متعلق رسول اللہؐ کی ان تعلیمات نے اخوت

ومساواتِ اسلامی کو مضبوط کرنے میں عظیم الشان حصہ لیا ہے۔ اس طریقۂ سلام نے کفر کے تمام طریقۂ سلام کو جو انسانوں کی بڑائی اور نیچائی، امارت و رذالت پر مبنی تھے، اور ایک انسان کو دوسرے انسان کے پوجنے پر مجبور کرتے تھے۔ بالکل منسوخ کر دیا۔

"السلام علیکم" دارالاسلام کا "کھُل جا سِم سِم" "کھُل جا سِم سِم" (OPEN SESAME) کا منتر ہے۔ اس کنجی سے آپ چاہیں تو ہر ملک میں جاکر ایک قائیل کلمۂ اسلام کے گھر کو کھول سکتے ہیں اور چاہے آپ اس کی زبان و گفتار کو سمجھیں یا نہ سمجھیں لیکن کامل اطمینان کے ساتھ بالکل اپنے گھر کی طرح رہ سکتے ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کہ کیا دنیا کی ساری قومیں مل کر "السلام علیکم" کے برابر کوئی دوسرا کلمہ ایجاد کر سکتی ہیں؟

اسلام کی دولتِ سرمدی کے ساتھ، کلمۂ "السلام علیکم" کی کلید اخوت اور مفتاح الجنت، بھی مسلمانان ہند کو حاصل ہے اور یہ ان کی قومیت کا زبردست اجتماعی اساس ہے۔ مسلمانانِ ہند کے امتیازات قومی میں سے یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کرتے ہیں۔ اور سلام ان کے ہاں بڑائی اور چھوٹائی، امارت و غربت، شرافتِ نسبی اور رذالت کے اظہار کیلئے نہیں بلکہ محبت اور اخوت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے۔ مسجد میں ہر داخل ہونے والا دوسروں کو سلام کرتا ہے۔ پھر ہر نمازی، نماز باجماعت کے خاتمہ پہ اپنے داہنے اور بائیں کی تمام صفوں میں صف بستہ مسلمانوں کو سلام کرتا ہے۔

اسلام کے روایات سنن اور تاریخ کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

(۸) اسلام کے روایات دینی، سُنن نبوی اور تاریخ و آثار کی پیدا کردہ وحدت کا اساس۔ دنیا کے تمام پیغمبروں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، سب سے کامیاب اور سب سے بڑے تاریخی پیغمبر ہیں۔ جن کی تعلیمات و ہدایات، اقوال و اعمال کی ذرہ ذرہ سرگذشت محفوظ و مامون ہے۔ اور جن کی زندگی کا ہر قول اور ہر فعل اُمّت کے لئے ایک معیار، ایک نمونہ اور ایک بہترین مثال ہے۔ اور جن کو چھوڑ کر ملت ایک لمحہ کے لئے بھی زندہ نہیں رہ سکتی ہے۔

اسلام کے یہ روایات، نظم و نثر، تاریخ سوانح و سیر بلکہ قصوں اور گیتوں کے طریقوں سے قوم میں جاری و ساری ہو چکے ہیں۔ مذہبی وعظوں اور میلادوں اور تذکروں کی محفلوں میں اُن کے زبانی بیان کا طریقہ جاری ہے۔ خطبات جمعہ و عیدین میں بھی یہ روایات قوم کے سامنے بار بار دہرائے جاتے ہیں۔

قوم حقیقت میں روایات ملّی کی حفاظت و اشاعت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی ہے۔ روایات وہ "اعصاب ملّت" ہیں جو اس کے حال کو اس کی ماضی سے وابستہ کرتے ہیں۔ روایات۔ وہ عقائد، قدرو افکار اور علوم ہیں۔ جو قوم کو اس کی ماضی سے بطور میراث ملتے ہیں۔ رسوم۔ وہ اعمال وہ اخلاق، وہ آداب، اور وہ اطوار ہیں جو قوم کو اس کی ماضی سے بطور میراث ملتے ہیں۔

چونکہ ملّت اسلامیہ کے لئے، حضرت محمدؐ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے عقائد۔ قدور، افکار و علوم اور اعمال و اخلاق اور آداب و اطوار، سند ہیں۔ اور مسلمانوں کو صرف ان کے قول و عمل کو معیاری ماننا چاہیئے اور اسی مناسبت و ترتیب سے ان کے خلفاءؓ و صحابہؓ و تابعینؒ کو ماننا چاہیئے، لہذا، ملّت اسلامیہ کے لئے صدر اوّل کے روایات و سُنن سرچشمۂ حیات ہیں۔

مسلمان قوموں کی زندگی کے لئے اہم ترین روایات ہیں۔ صدر اولیٰ کی روایات ہیں لیکن وہ اسلامی تاریخ کے تمام روایات سے وابستہ ہیں۔ اور ان کو اس سے سبق لینا چاہیئے لیکن ان کی زندگی کی کسوٹی اور معیار، روایات محمدیؐ و صحابہ تابعین ہیں۔

ہندوستان میں قومیت اسلامیہ کا یہ اساس مسلمانوں کے فکر و عمل میں زندہ اور مضبوط ہے۔

اسلام کی دینی اخوت کی بڑھتی ہوئی وحدت کا اساس

(۹۱) اسلام کی دینی اخوت کی بڑھتی ہوئی وحدت کا اساس۔

اسلام دنیا کی سب سے بڑی جمہوری سوسائٹی ہے۔ جو تمام کلمہ گویان اسلام کے مساوات، اور اخوت پر مبنی ہے۔ اسلامی سوسائٹی میں، پیدائش، خاندان، رنگ، خون یا نسل و جغرافیہ کے لحاظ سے نہ کوئی شریف ہے۔ اور نہ کوئی رذیل ہے۔ شرافت و رذالت کا معیار، تقویٰ اور عمل ہے۔

اسلام کی یہ مثالی جمہوری سوسائٹی ہندوستان کی سرزمین میں دنیا کی سب سے بڑی سرمایہ دارانہ اور اجارہ دارانہ ہندو سماج کے مقابل کھڑی ہے۔ بدقسمتی سے ہندو سماج کے بہت سے غیر اسلامی امتیازات کے اثر سے "ہندی مسلم سوسائٹی" مغل بادشاہوں اور امیروں کی گمراہی کے باعث متاثر ہو گئی تھی۔ لیکن اب جوں جوں۔ مسلمانوں میں اسلامی تعلیم پھیل رہی ہے۔ دین خالص کی طاقت بڑھ رہی ہے۔ اور قومی و سیاسی بیداری ترقی کر رہی ہے۔ نسبی امتیازات و تعصبات مٹتے جا رہے ہیں۔

اسلامی اخوت کی زندہ جمہوری سوسائٹی۔ ہندو ذات پات اور چھوت چھات کی غیر جمہوری سوسائٹی کے لئے۔ سب سے بڑا چیلنج ہے۔ اور اگر

مسلمانانِ ہند، اخوت اسلامی کے رشتہ کو تمام رشتوں پر مقدم رکھنے کا عزم راسخ کریں اور غیر اسلامی تفریقات کو مسلم سوسائٹی سے مٹا دیں تو ہندوستان اسلام کی ارضِ موعود بن سکتا ہے۔ تاہم تمام کمزوریوں کے باوجود ہندی مسلم سوسائٹی تمام دوسری ہندوستانی سوسائٹیوں سے زیادہ عادلانہ، اور اخوت پروانہ ہے اور ہندوستان میں قومیتِ اسلامی کی بہت بڑی اور اہم بنیاد ہے۔

دینی و قومی ہیروؤں کی قابلِ فخر یاد اور یادگار کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

(۱۰) مشترکہ دینی ابطال اور قومی رجال و مشاہیر۔ یعنی اسلام کے ہیروؤں، مجاہدوں فاتحوں۔ خلیفوں۔ عالموں۔ ولیوں اور بزرگوں کی یاد اور ان کی زیارت گاہوں اور یادگاروں سے عقیدت کی پیدا کردہ وحدت کا اساس۔

مسلمانانِ ہند کو اپنے دین کے ہیروؤں سے زبردست عقیدت ہے اور ان کی قابلِ فخر یاد کو۔ ان کی قومی سیرت کی تعمیر میں زبردست حصہ ہے۔ ان ابطال میں صدرِ اولی کے پیشوایانِ اُمّت کا درجہ۔ سب سے بلند ہے۔ اس کے بعد، خود ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں بزرگانِ اسلام کے فتوحات روحانی و علمی، کی یادگاریں موجود ہیں۔ اور مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ اگر یہ مجاہدینِ حق، یہ علماءِ حق اور یہ بزرگانِ دین۔ ہندوستان میں نہ آتے۔ اور اپنے مجاہدات سے اسلام کا تلم نہ لگاتے تو اس ملک میں اسلام کا نام لیوا شاید کوئی نہ ہوتا۔ یا کم سے کم، مسلمانوں کی عظیم الشان قوم کا وجود نہ ہوتا۔

ماضی کے قابلِ فخر بزرگوں کی یہ قابلِ فخر یاد اور یادگار، ہندوستان میں

قومیت اسلام کی تعمیر کا ایک بڑا عنصر ہے۔ جو عام لوگوں کو ان کی ماضی کے روایات سے وابستہ رکھتا ہے۔

علما، فقہا، ادبا اور شعرا کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

(۱۱) ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے اسلامی علما، فقہا۔ حکما۔ ادبا۔ اور شعرا کے افکار۔ مسالک اور لٹریچر کی پیدا کردہ وحدت کا اساس۔

ہندوستان کے علما و فضلا نے اسلامی تعلیمات کو ہندی زبانوں میں منتقل کرنے اور پھیلانے میں زمانہ گذشتہ سے عظیم الشان حصّہ لیا ہے۔ شعراء اسلام نے بھی اُن کی اس کام میں بڑی مدد کی ہے۔ ان کی محنتوں کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ اسلام اور تاریخ و روایاتِ اسلام کا علم مسلمانوں میں روز افزوں بڑھ رہا ہے۔ ان علماء نے مسلمانوں کی عام تعلیم کے لئے خاص نصاب ہائے تعلیم تیار کر کے جاری کئے ہیں۔ جنہوں نے مکاتب و مدارس اور دوسری تعلیم گاہوں کے ذریعہ اسلامیات کی تعلیم کی عام اشاعت میں زبردست حصّہ لیا ہے۔

اردو زبان و ادب کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

(۱۲) اردو زبان و ادب کی پیدا کردہ وحدت کا اساس۔

ہندوستان میں مسلمان عرب۔ ایران۔ توران۔ افغانستان۔ ترکستان افریقہ۔ اور ہر حصّۂ دنیا سے آکر داخل ہوئے۔ پھر بے شمار ہندی اقوام و قبائل کو جو مختلف بولیاں بولتے تھے۔ دائرۂ اسلام میں داخل کیا۔ ان تمام بیرونی و اندرونی عناصر کی تحلیل و ترکیب سے ہندوستان میں قومیت اسلام کا قوام تیار ہوا۔ ان مختلف الاصل و مختلف النسل و مختلف اللون۔ و مختلف اللسان

عناصر کو۔ ایک دوسرے کے قریب کرنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے میں جس چیز نے مدد دی ہے وہ ایک مشترکہ اردو زبان اور اس کا عظیم الشان لٹریچر ہے"

اگر ہندوستان میں مختلف صوبوں اور قبیلوں کے مسلمانوں کی کوئی مشترکہ عمومی اور قومی زبان نہ ہوتی۔ تو اس ملک میں مسلم قومیت کے استحکام میں بڑی بھاری رکاوٹ ہوتی۔

مثلاً سیلون میں۔ ملائی۔ مالاباری۔ ہندوستانی۔ مُور شُو۔ اور سنگھالی نسلوں کے مسلمان آباد ہیں۔ جو مختلف بولیاں بولتے ہیں۔ لیکن ان کی کوئی مشترکہ عمومی زبان نہیں ہے جس کے باعث مسلمانان سیلون میں وہ قومی وحدت و یکتائی پیدا نہیں ہو سکی۔ جو آج ہندوستان میں موجود ہے۔

صوفیاء اسلام کے خاص سلسلوں کی پیدا کردہ وحدت کا احساس

(۱۴) صوفیاء اسلام کے قائم کردہ خاص سلسلوں، اور طریقوں کی وحدت کا احساس۔

صوفیاء اسلام نے طریقت کے خاص سلسلے قائم کئے تھے۔ ان کے خلفاء متوسلین کی جماعت ہر گوشۂ ہند میں پھیل گئی تھی۔ اور ان کی خانقاہیں اور درسگاہیں۔ کبھی اسلامی تعلیمات کی عام اشاعت اور روحانی تربیت کے خاص مرکز تھے۔ آج گو ان کا وہ اثر نہیں ہے اور ویسے صاحبِ علم، دیندار صوفی اور خانقاہ بھی بہت کم ہیں۔ لیکن ان کے سلسلہ ہائے تعلیم موجود ہیں۔ اور انہوں نے اس ملک کے مسلمانوں میں اتحاد و احساس یکتائی فکر و عمل پیدا کرنے میں جو عظیم الشان حصہ لیا ہے اس سے محض ان کی بعض موجودہ خرابیوں کے باعث انکار کرنا۔ ناممکن ہے۔

انڈو مسلم کلچر" یعنی ہندی مسلم تہذیب کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

(۱۴) "انڈو مسلم کلچر" یعنی ہندی مسلم تہذیب کی پیدا کردہ وحدت کا اساس۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی ہزار سالہ بود و باش نے، اسلامی عقائد و اعمال اور روایات و اخلاق کو مقامی ہندوستانی حالات سے امتزاج دیکر۔ ایک خاص قسم کا تمدن پیدا کیا ہے۔ جس کو اگر "انڈو مسلم کلچر" کہا جائے تو درست ہوگا یہ عام تہذیب اسلام کی، ہندوستان کی مخصوص آب و ہوا میں تقلیم کا نتیجہ ہے۔ اس تمدن میں بہت سی باتیں، ہندو تمدن کی بھی داخل ہوگئی ہیں۔ لیکن اپنے اصلی ماخذ میں یہ تمدن خاص اسلام کی روایات سے ماخوذ ہے۔

یہ تمدن مندرجہ ذیل طریقوں سے ظاہر ہوا ہے۔

(i) خاص عقائد۔ قدور۔ افکار و علوم و احساسات کی روایات جو ماضی سے ہم کو بطور میراث ملے ہیں۔

(ii) خاص اعمال۔ اخلاق۔ آداب۔ اطوار اور رسوم جو ماضی سے ہم کو بطور میراث ملے ہیں۔

(iii) خاص صنائع و بدائع اور طریقہ ہائے پیدائش دولت و کسب معاش جو ماضی سے ہم کو بطور میراث ملے ہیں۔

(iv) خاص فنون لطیفہ کی روایات جو ماضی سے ہمکو بطور میراث ملے ہیں

(v) خاص زبان و ادب کی تخلیقات و اسالیب بیان۔ جو ہم کو ماضی

سے بطور میراث ملے ہیں۔ [111]

(vii) خاص سوشیل اداروں سوشیل حلقوں اور سوشیل تنظیموں کے مسالک جو ہم کو ماضی سے بطور میراث ملے ہیں۔

(viii) خاص شرعی حدود و مقاصد کے متعلق روایات جو ماضی سے ہم کو بطور میراث ملے ہیں۔

(viiii) خاص اسلامی سیاسیات، معاشرات، مالیات، و عمرانیات کی روایات جو ماضی سے ہم کو بطور میراث ملے ہیں۔

ان سب کے معجون مرکب ہی کا نام "انڈو مسلم کلچر" ہے۔ یہ مخلوط پیداوار ہے۔ لیکن عام تعلیم کی اشاعت کے ساتھ۔ "انڈو مسلم کلچر" کو غیر مفید اور خلاف اسلام عناصر سے پاک کرنے کی تحریک بھی جاری ہو چکی ہے۔

اس تمدن نے مسلمانوں کے طرز بود و ماند۔ طرز رہایش، خورش و پوشش ظاہری وضع و قطع، تراش و خراش، گفتار و رفتار۔ اور طرز مجالست، میں ایک زبردست یکرنگی۔ ہمواری اور یکسانیت۔ پیدا کر دیا ہے۔

یہ تمدنی وحدت ہندوستان میں مسلم قومیت کی زبردست بنیاد ہے

انڈو مسلم تعمیرات و آثار کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

(۱۵) انڈو مسلم تعمیرات و آثار۔ اور مسلم طرز تعمیر کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

ہندوستان میں مسلمانوں نے عظیم الشان اور حسین و جمیل تعمیرات کی قابل فخر یادگاریں چھوڑی ہیں۔ دہلی۔ آگرہ۔ لکھنؤ۔ لاہور۔ اور دکن کے چپہ چپہ پر غیر فانی مسلم تعمیرات کے نشانات ہیں۔ جن کو دیکھ کر، کون بے روح مسلمان ہے جو قومی فخر کے جذبات محسوس نہیں کرتا ہے۔ اور اپنی عظیم الشان

ماضی کی یاد سے دل کو تازہ نہیں کرتا ہے؟[112]

مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنے خاص فن تعمیر۔ فن باغبانی اور طرز مکانیت ایجاد کیے ہیں۔ جو تمام دوسری ہندوستانی طریقوں سے بہتر، مفید تر اور حسین تر ہیں۔ مسلمانانِ ہند کی جداگانہ قومیت کی تعمیر میں ان تعمیرات کا زبردست حصہ ہے۔ کیونکہ انہوں نے اُن میں احساسِ امتیاز اور احساس برتری پیدا کیا ہے۔ اور ان کی قومی سیرت کو مادی صورت میں غیر فانی اور زندۂ جاوید بنا دیا ہے۔

غدر کے بعد کی مسلم تحریکات اور ان کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

(۱۶) غدر ۱۸۵۷ء کے بعد کی مسلم تحریکات۔ علی گڑھ۔ دیوبند۔ ندوہ حمایت اسلام کی تحریکات کا پیدا کردہ عام وحدت کا اساس۔

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانان ہند نہ صرف سیاسی و دنیاوی لحاظ سے تباہ ہوگئے تھے، بلکہ اُن کا سب کچھ برباد ہوگیا تھا۔ ایک صوبہ کے لوگ دوسرے صوبے کے لوگوں سے بلکہ ایک ضلع کے لوگ دوسرے ضلع کے لوگوں سے بالکل بے خبر، بے پرواہ اور بے تعلق تھے۔

۱۸۸۶ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کی بنیاد رکھتے ہوئے سر سید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔

"اس وقت ہمارا حال یہ ہے کہ گویا ہم ایک (قوم) مسلمان، کہلاتے ہیں۔ مگر ایک جگہ کے رہنے والے دوسری جگہ کے رہنے

والوں سے، ایسے ہی ناواقف ہیں۔ جیسے کوئی اجنبی قوم، ایک دوسرے کے حال سے ناواقف ہو.............. ہم ایک صوبے کے ہی ایک ضلع کے رہنے والے دوسرے ضلع کے رہنے والوں کے حال سے محض ناواقف ہیں۔ کوئی ذریعہ ہمارے پاس ایسا نہیں ہے۔ کہ مختلف اضلاع کے لوگ کسی موقع پر، آپس میں ایک جگہ جمع ہوں۔ ایک کے حال سے دوسرے کو آگاہی ہو .... ہم باوجود ایک قوم، مسلمان ہونے کے، جو بمنزلہ مختلف قوموں کے ہو رہے ہیں۔ ان میں قومی یگانگت بلکہ مجھکو کہنا چاہیے 'قومیت' پیدا ہو۔

الغرض غدر کے بعد۔ مسلمانانِ ہند... نام کے ایک قوم تھے قومیت اسلامیۂ ہند کے تمام رشتے ٹوٹ چکے تھے، قومی یگانگت اور ہمدردی کے احساسات، عام تباہی کے سیلاب فنا میں مٹ چکے تھے۔ ذہنی۔ اجتماعی۔ اخلاقی۔ ہر اعتبار سے شیرازۂ ملّت بکھر چکا تھا۔

ان مایوس کن حالات میں۔ سر سید رحمہ اللہ کا نام لیکر اُٹھے اور قومیت اسلامیۂ ہند کے صور کو علی گڑھ سے پھونکا۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی اور ملّت کے لایق ترین دردمندوں۔ عالموں۔ واعظوں۔ شاعروں اور لکچراروں اور معلموں کو ایک آل انڈیا پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ اور پھر ہندوستان کے مختلف صوبوں اور شہروں میں اسکی سالانہ کانفرنسیں منعقد کروائیں۔ خاص اخبارات و رسائل نکالے۔ زبردست قومی لٹریچر پیدا کیا۔ اور موجودہ اردو نثر کی بنیاد رکھی۔ اس علی گڑھ تحریک نے پورے اسلامی ہندوستان اور برما کو اپنے

دامن میں سمیٹ لیا۔ صوبہ سرحد سے لیکر مالا بار اور کراچی سے لیکر رنگون تک اس کی آواز بازگشت پہونچی اُردو کی ترقی و اشاعت کی تحریک بھی یہیں سے اُٹھی۔ اور ایک انقلاب عظیم رُونما ہوا۔

قومیتِ اسلامیہ ہند کی نشاۃ الجدید میں۔ علی گڑھ تحریک کا عظیم الشان حصّہ ہے۔ ندوۃ العلما کانفرنس اور دار العلوم لکھنؤ کی تحریک۔ دار العلوم دیو بند کی تحریک انجمن حمایت اسلام لاہور کی تحریک بھی اسی تجدید ملّت کے، نشانات ہیں۔ ان تعلیمی و علمی تحریکوں کا یہ عمومی اثر ہوا کہ سارے ملک میں اسلامیہ اسکولوں۔ مسلم ہوسٹلوں۔ مکتبوں۔ مدرسوں اور تعلیمی و علمی سوسائٹیوں کا نظام قائم ہوا۔ اور مسلمانوں میں زبردست بیداری پیدا ہوئی۔ انہیں تحریکات نے اسلامی ہند کو سر سید احمد وقار الملک۔ محسن الملک، عماد الملک، حالی۔ شبلی۔ محمد علی اور شوکت علی۔ شیخ الہند مولینا محمود الحسن۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں۔ علامہ محمد اقبال جیسے ملّت کے عاشق و مجاہد لیڈر عطا کئے جنہوں نے مسلمانانِ ہند کی جدید قومیت کی تعمیر میں عملی جد وجہد سے تاریخی حصّہ لیا۔

انقلاب آفریں بلند پایہ، قومی شاعروں کے نغمات کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

(۱۷) انقلاب آفریں، شعلہ مقال، ملّت پرور، نہایت بلند پایہ۔ قومی شاعروں کی شاعری اور نغمات کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

قومیت اسلامیہ ہند کی تعمیر میں مسدس حالی، کا حصّہ ایک عظیم الشان

اور تاریخی حصہ ہے۔ آج مسدس حالی اور شکوۂ ہند کے اشعار۔ خیبر کے پٹھانوں اور مالا بار، اور مدراس کے مسلمانوں کی زبانوں پر یکساں جاری ہیں۔ اقبال کا پیغام خودی وخودشناسی وخودیابی، ہندستان کے گوشے گوشے میں پہونچ چکا ہے۔ بلکہ اس کے ترجمے جرمنی۔ اٹلی۔ اور کیمبرج سے شائع ہو چکے ہیں۔ اکبر الہ آبادی صحیح معنوں میں نہ صرف لسان العصر تھے: بلکہ لسان الملّت تھے۔

ان قومی شاعروں کے علاوہ صدہا قومی وملّی شاعر نمودار ہوئے ہیں۔ جن کے نغمات نے مسلمانوں کے دلوں کو گرمایا۔ دماغوں کو بلند کیا ہے۔ اور اخلاق ملّی کی تربیت میں حصہ لیا ہے۔ اور احساسات و جذبات کا وہ عام اتحاد پیدا کیا ہے۔ جو قومیت و ملّت کی زندگی کے لئے بمنزلہ روح ہے

تحریکِ خلافت کی پیدا کردہ عمومی وحدت کا اساس

(۱۸) تحریکات جنگ بلقان وطرابلس۔ اور تحریک ترک موالات و خلافت کی عمومی جد وجہد کی پیدا کردہ وحدت کا اساس۔

جنگ بلقان وطرابلس نے ہندوستان کے مسلمانوں میں، غدر کے بعد سب سے پہلے سیاسی جد وجہد کا خیال پیدا کیا۔ تحریک خلافت اس ملک میں۔ سب سے پہلی جمہوری اور عمومی ماس موومنٹ MASS MOVEMENT تھی۔ اس نے سرحد کے پٹھانوں اور مالا بار کے موپلوں اور ملک کے ہر گوشہ کے مسلمانوں کو ایک ہمہ گیر ملّی تحریک سے متحرک کر دیا اور ان کو ملّت اسلام کے استقلال کی خاطر۔ جان و مال، اور گھربار

کی انتہائی قربانیوں کے لئے آمادہ کر دیا۔ ہزاروں، لاکھوں جلسے ملک میں ہوئے۔ گاؤں گاؤں میں لٹریچر پہونچایا گیا۔ ایک کروڑ کے قریب روپیہ جمع اور خرچ کیا گیا۔ ہزاروں مسلمانوں نے اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرت اختیار کی۔ سینکڑوں نے جانیں قربان کیں اور خانما برباد ہوئے۔ ہزاروں جیلوں میں گئے اور اجتماعی جد و جہد کی ایسی مثال قائم کی گئی جسکی نظیر نہ تاریخ ماضی میں ہے اور نہ بعد میں۔

غدر کے بعد۔ ملّت اسلامیہ ہند کی جو نئی قومیت تعمیر ہوئی تھی اُسنے گویا تحریکِ خلافت کے ذریعہ، اپنی طاقت کا امتحان لیا۔ اور اپنی ذات کا احتساب کیا۔

اس طرح اسلامیانِ ہند مشترکہ مقصد، مشترکہ جد و جہد۔ مشترکہ مصیبت اور مشترکہ کامیابی کے ذریعہ بالکل ایک جان اور ایک دل اور ایک دماغ ہوگئے۔ سارے ملک میں ایک مرکز کے اشارے پر حرکت کرنا سیکھا۔ اور اپنی قومی طاقت کا اندازہ حاصل کیا۔ اور اپنی ملّی خودی اور اس کے ممکناتِ زندگی سے پہلی دفعہ تجربہ کرکے آگاہ ہوئے قومیت اسلامیہ ہند اپنی آنکھوں پر عیاں ہوگئی۔ مسلم قوم اپنے آپ کو پہچان گئی، مسلم قوم اپنے آپ میں آگئی۔ مسلم قوم نے اپنے آپ کو پا لیا۔

آل انڈیا ملّی سیاسی تنظیم کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

(۱۹) ہندوستان گیر ملّی، سیاسی تنظیم کی پیدا کردہ وحدت کا اساس۔

سلطنت مغلیہ کے زوال کے آخری دَور میں۔ حضرت سید احمدؒ شہید بریلویؒ۔ و حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک۔ دین خالص

کو تمام ہندی الاصل بدعات سے پاک کرنے اور اسلامی سلطنت کے قائم کرنے کے لئے پیدا ہوئی۔ اس تحریک نے ہندوستان میں صحابہ کرام اور سلف صالحین کے دور اولی کی یاد کو تازہ کر دیا۔ اس نے ایسا عظیم الشان۔ دینی۔ اخلاقی۔ و روحانی انقلاب پیدا کیا۔ اور ایسے ایسے دین وملت کے فدائی و مجاہد۔ اور مبلغ میدان عمل میں پیش کیئے کہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ تحریک اور اس کی شاخیں اس ملک میں پیدا نہیں ہوتیں۔ تو دین وملت کا وہ نشاۃ الجدید بھی پیدا نہ ہوتی جو آج ہم ہندوستان میں دیکھ رہے ہیں۔ اور کیا عجب کہ ملت اسلامیہ، ہندوست اور افرنگیت کے پیٹ میں جا کر مضم ہو جاتی۔

اس تحریک نے سارے ملک میں اپنے مبلغوں اور داعیوں کے نظام کو مربوط کیا تھا۔ بنگال سے لیکر سمرقند تک اس کا سلسلہ قائم تھا۔ اس کا مقصود ہندوستان میں خلافت راشدہ کے نمونہ کی خالص دینی و شرعی سلطنت، کلمۂ حق کی سربلندی کے لئے قائم کرنا تھا۔

اُتمان زئی۔ پشاور۔ اور سرحد کے غداروں کی خیانت کے باعث یہ تحریک کامیاب نہیں ہوئی۔ حضرت سید احمد بریلویؒ۔ مولینا اسمٰعیل شہیدرح۔ اور ان کی قدسی صفت جماعت کفار اور خائنین ملت سے جہاد کرتی ہوئی شہید ہو گئی۔ لیکن ان کے بقیۃ السیف شاگرد نہ صرف زندہ رہے۔ بلکہ وہ سارے ملک میں پھیل گئے۔ اور ہر جگہ دین خالص کی تجدید کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور واقعہ یہ ہے۔ کہ دیوبند کی تحریک بھی اسی تحریک کی ایک شاخ تھی۔

ہندوستان جدید میں مسلمانوں کی یہ سب سے پہلی آل انڈیا

سیاسی و ملی تنظیم تھی۔ جو علانیہ دین خالص کی تجدید سلطنت اسلامی کے قیام کی غرض سے وجود میں آئی تھی۔ اسکا نصب العین ہندوستان کے دار الحرب کو دار الاسلام بنانا تھا۔

سلطنت مغلیہ کے خاتمہ، انگریزی حکومت کے قیام، مغربی تعلیم کی ترقی۔ اور علی گڑھ تحریک کی نئی روشنی کے پھیلنے کے بعد ملک کے یکسر منقلب سیاسی حالات کے مقابلے کے لئے۔ مسلمانوں کی سب سے اول آل انڈیا سیاسی تنظیم دسمبر ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے قائم ہوئی۔

۱۹۰۶ء سے لیکر ۱۹۳۷ء تک مسلم لیگ ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی اور دستوری معاملات میں رہنمائی کرتی رہی اور کم و بیش ایک آئینی اور کاغذی انجمن رہی۔ لیکن ہندوستان میں، صوبائی سوراج اور کانگرس ہندو راج کے قیام کے بعد۔ اجلاس لکھنو ۱۹۳۷ء سے آل انڈیا مسلم لیگ ایک جمہوری اور حقیقی آل انڈیا تنظیم بن گئی۔ اس تنظیم نے ہندوستان کے مسلمانوں کو سب سے پہلی دفعہ اپنی زندگی کی حفاظت و ترقی کے لئے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی دعوت دی اور ان میں ایک حیرت انگیز وحدت فکر، وحدت احساس، وحدت ارادہ اور وحدت عمل پیدا کر دیا۔

جداگانہ مسلم تعلیمی نظام کی پیدا کردہ وحدت کا احساس

(۲۰) مسلمانوں کی جداگانہ تعلیمی اسکیموں اور جداگانہ تعلیمی سلسلوں کی پیدا کردہ وحدت کا احساس۔

حضرت سید احمد بریلوی رح کی تحریک۔ علی گڑھ تحریک۔ دیوبند تحریک

اور ندوہ تحریک کے نتیجہ کے طور پر سارے ہندوستان میں اسلامی مدرسوں۔ اسلامیہ اسکولوں، اسلامیہ کالجوں۔ اسلامیہ ہوسٹلوں کا سلسلہ قائم ہوا۔ مسلمانوں کی جداگانہ تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے سرکاری اسکولوں میں عربی۔ فارسی اور اردو کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ اور جداگانہ مسلم تعلیمی اسکیمیں بھی جاری کی گئیں۔ جیسا کہ یو۔پی میں "میسٹن اسکیم" بنگال میں "نیو مدرسہ اسکیم"۔ اور بہار میں "شمس الہدیٰ مدرسہ اسکیم" اور بمبئی میں "اردو اسکول اسکیم"۔

ان جداگانہ تعلیمی سلسلوں کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ ملّت اسلامیۂ ہند کی جداگانہ کلچرل شخصیت متعین ہو گئی اور ہر صوبے کے مسلمانوں میں خیالات واحساسات کا زبردست اتحاد پیدا ہوا جو ان کی نو بیدار قومیت کی ایک مضبوط بنیاد ہے۔

قومی و ملّی صحافت کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

(۲۱) علی گڑھ تحریک کے بعد۔ مسلمانانِ ہند کے درمیان ایک خاص ٹائپ کی قومی و ملّی صحافت پیدا ہوئی۔ اِن ملّی اخباروں، اور رسالوں نے ہر صوبے کے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ ذہناً قریب کر دیا۔ اور ان میں اتحادِ خیال واشتراکِ عمل کی زبردست تحریک پیدا کی۔

جدید ذرائعِ مخابرت ونقل وحرکت کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

(۲۲) جدید ترین ذرائع مخابرت و مراسلت، اور جدید وسائل نقل و حرکت، یعنی ڈاک۔ ٹیلی گرام۔ ٹیلی فون۔ موٹر ریل۔ نے بھی ایک صوبے کے مسلمانوں کو دوسرے صوبے کے مسلمانوں سے قریب کرنے اور اُن میں زیادہ سے زیادہ اتحادِ فکر و عمل پیدا کرنے میں حصّہ لیا ہے۔

ان ذرائع سے ایک حصّۂ ہند کے مسلمان دوسرے حصّۂ ہند کے مسلمانوں کے خیالات و حالات سے فوراً خبردار ہو جاتے ہیں۔ اور ان سے تعاون کا رشتہ مضبوط کرتے ہیں۔ اگر ایک مقام کے مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑتا ہے۔ تو دوسرے حصوں کے مسلمان اُن سے ہمدردی کرتے ہیں۔

فتوحاتِ ملکی و رُوحانی کی یاد کی وحدت کا اساس

(۲۳) ماضی میں ہندوستان کے اندر عظیم الشان و قابلِ فخر جنگی فتوحات ملکی فتوحات، علمی و تمدنی فتوحات، اور روحانی و دینی فتوحات انجام دینے کی قابلِ فخر یاد کی وحدت کا اساس اور آیندہ اِن ملکی و روحانی فتوحات کو دُہرانے کے عزمِ صمیم کی وحدت کا اساس بھی، قومیت اسلامیہ ہند کے وجود کا ایک زبردست پشتہ ہے۔

ہندی مسلمانوں کی اہم جغرافی پوزیشن کی وحدت کا اساس

(۲۴) ہندی مسلمانوں کی جغرافی پوزیشن اور سرحداتِ ہند کی کلید برادری کی پوزیشن اور اس کے احساس کی پیدا کردہ وحدت کا اساس بر اعظم ہند میں، مسلمانوں کی آبادی۔ شمال مغربی ہند۔ پنجاب،

سرحد۔ و آزاد افغانستان علاقہ۔ بلوچستان۔ سندھ۔ و کاشمیر۔ میں مرکوز ہے۔ اور یہ ملک کا فوجی اعتبار سے اہم ترین حصہ اور مسلم آبادی کی نوعیت کے اعتبار سے سب سے زندہ منطقہ ہے۔ شمالی مشرقی ہند۔ یعنی بنگال۔ آسام اور پرنیہ۔ کا منطقہ۔ مسلم آبادی کی مرکوزیت کے اعتبار سے دوسرا اہم ترین حصہ ہے۔ لیکن بہار اور یو۔پی مسلم انڈیا کا دماغ اور مسلم کلچر کا قلب زندہ ہے۔ اور بہار یو۔پی کے دونوں صوبے۔ شمالی مغربی منطقہ اور شمالی مشرقی منطقہ کے درمیان واقع ہے۔ دکن میں مسلم طاقت و تہذیب کا دوسرا گہوارہ۔ حیدرآباد ہے۔

مسلمانوں کی آبادی کے اس جغرافی پوزیشن نے مسلمانان ہند میں قومی وحدت پیدا کرنے اور اس کو سیاسی تعمیر کے لئے کام میں لانے میں بڑی مدد پہونچائی ہے۔

فرض کیجیئے کہ مسلمانوں کی آبادی سارے ملک میں اسطرح منتشر ہوتی کہ وہ کسی ایک صوبے میں بھی اکثریت میں نہ ہوتے تو وہ باوجود دس کروڑ ہونے کے بھی اپنے لئے "نیشنل سلف ڈی ٹرمی نیشن" کا مطالبہ مشکل سے کر سکتے تھے۔ لیکن اس وقت تو وہ ہندوستان کی کنجیوں اور دروازوں کے مالک ہیں۔ ان کو اپنی اس برتر قدرتی و طبعی پوزیشن کا پورا احساس ہے اور یہ احساس ان کی قومیت کی تعمیر کا ایک ضروری عنصر ہے۔

تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے اقتصادی و طبقاتی مفاد کی وحدت کا اساس

(۲۵) ہندوستان کے تمام حصوں۔ خصوصاً بنگال۔ آسام۔ پنجاب۔ سندھ

سرحد و کاشمیر۔ میں عام مسلمانوں کی اقتصادی پوزیشن کی یکسانیت اور ان کے اقتصادی و طبقاتی مفاد کی وحدت کا اساس۔

کم و بیش ہندوستان کے تمام حصّوں میں مسلمان اہل محنت طبقہ اور مقروض طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کی زمینوں پر ہندو مہاجنوں اور سود خواروں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اور جو سرمایہ دار طبقات کے مظلوم ہیں۔

یہ اقتصادی حالت اور مفاد کی یکسانیت کی وحدت بھی مسلمانانِ ہند کی جداگانہ قومیت کی ایک معاشی بنیاد ہے۔

(۲۶) عام مسلمانوں میں بت پرستوں اور مشرکوں پر اپنی عظیم الشان دینی و اخلاقی برتری کے احساس عام کی وحدت کا اساس۔ مسلمان اپنے آپ کو ہندوستان کی تمام بت پرست قوموں سے افضل و اعلیٰ اور خدا کی برگزیدہ قوم یقین کرتے ہیں ان کے خیال میں صرف انہیں کا مذہب حق ہے۔ وہ اپنی تعدادی، و مادی طاقت سے بھی آگاہ ہیں۔ وہ اپنی سیاسی طاقت اور صلاحیت کار کا احساس رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ہم کبھی اس ملک میں ایک سلطنت تھے۔ اور ہم کو دوبارہ سلطنت بننا چاہیئے۔

ہندوستان میں اسلام کے سیاسی معاشرتی و معاشی مشن پر ایمان کی وحدت کا اساس

(۲۷) تعلیم جدید کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں، اسلام کے دینی۔ سیاسی، معاشی اور معاشرتی مشن کی صداقت پر بڑھتے ہوئے ایمان کی وحدت اور اس عام احساس کی وحدت کہ ہندوستان کے سوشل مسئلہ۔ سیاسی مسئلہ۔ اور معاشی مسئلے کا موزوں

مناسب ترین حل، اسلام اور صرف اسلام کے دینی و عمرانی نظام کے قیام سے ممکن ہے۔ یعنی صرف اسلامی اخوت اچھوتوں اور نچھوتوں کو نجات دے سکتی ہے۔ اور صرف کلید اسلام سے اتحاد و استقلال ہند کا بند دروازہ کھل سکتا ہے اور صرف اقتصادیات اسلام ہندوستان کے سرمایہ داروں اور ناداروں کے درمیان عدالت قائم کر سکتا ہے۔

مسلمانوں کا ہندوستان میں اسلام کے ہمہ گیر مشن پر بڑھتا ہوا ایمان اُن کی نو بیدار قومیت کی روح رواں ہے۔

ہندو نیشنل ازم کے خطرات کے احساس عام کی وحدت کا اساس

(۲۸) ہندوستان میں، ہندو نیشنل ازم نے آریا ورتا کے عہد کے رام راج اور ہندو سامراج کے ایام ظلم و جاہلیت کو اس بیسویں صدی میں دوبارہ زندہ کرنے کی جو تحریک جاری کی ہے۔ اس نے تمام کلمہ گویان اسلام میں ایک عمومی خطرہ کا احساس پیدا کر دیا ہے۔ اور یہ خطرۂ عام کا احساسِ عام، قومیت اسلامیۂ ہند کی تقویت کا ایک غیر محسوس سرچشمہ ہے۔

"قومیت متحدہ" کے تجربہ کی ناکامی کے احساسِ عام کی وحدت کا اساس

(۲۹) قومیت متحدہ کا تجربہ، تحریک ترک موالات نہرو رپورٹ۔ اور کانگرس راج کے زمانوں میں کیا گیا۔ اور ان تینوں تجربوں میں قومیت متحدہ ناکام ہوئی ہندو تعصبات۔ چھوت چھات اور کھان پان، اور شادی بیاہ۔ کی تفریقات نے،

دونوں ملتوں کے درمیان جو آہنی دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں۔ اور ان میں جو عمیق ترین بنیادی و اساسی اختلاف بلکہ تصادم - دین و عقیدہ، سیاسیات و اقتصادیات کے مفادات اور معاشرت اور روزانہ زندگی کے ہر دائرہ میں لازمی ہو گیا ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے۔ قومیت متحدہ کی تعمیر ناممکن قرار پا چکا ہے۔ اِلّا یہ کہ ملت اسلام فنا ہو کر، ہندویت کے پیٹ میں قدیم غیر آریا باشندوں یا کوشن - سی تھین اور ہن اقوام کی طرح ہضم ہو جائیے اور ملک میں ایک نئی "آریا ورتا" اور "رام راج" قائم ہو جائے۔

قومیت متحدہ کے تجربہ کی کلی ناکامی نے لازماً مسلمانوں کو دوسرے اطراف سے مایوس کر کے خود "اپنی ہی خودی کی طرف زیادہ عمیق عزم و ایمان کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ اور اپنی اسلامی خودی میں زیادہ گہرائی کے ساتھ ڈوبنے اور اپنی ممکنات حیات ملی کو دریافت کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

ہندی مسلم قوم کے لئے آزاد اسلامی سلطنت تعمیر کرنے کے نصب العین کی پیدا کردہ وحدت کا اساس

(۳۰) استقلالِ قومیت اسلامیہ ہند یعنی ہندوستان کی مستقل مسلم قوم کو ایک مستقل سلطنت کی صورت میں تعمیر کرنے کے زندگی بخش نصب العین کی پیدا کردہ وحدت کا اساس۔

اجلاس لاہور آل انڈیا مسلم لیگ ۱۹۴۰ء میں مسلمانان ہند نے من حیث القوم اپنا نصب العین ہندوستان کی اس طرح سیاسی تقسیم قرار دیا ہے کہ شمال مغربی ہند اور شمال مشرقی ہند میں اسلامی سلطنتیں قائم کی جائیں اور ہندوستان کے دوسرے

حصوں میں ملت اسلامیہ کے حقوق و مفاد کی حفاظت کی غرض کو کل اور واجب تعمیل انتظامات کئے جائیں۔

قومیت اسلامیہ ہند کی تاریخ میں یہ نیا تعمیری نصب العین ایک نئے باب کو کھولنے والا عہد آفریں نصب العین ہے۔

اس نئے نصب العین نے مسلمانوں کو یہ امید دلائی ہے کہ وہ اس ہندوستان میں جس طرح کل صاحب تاج وتخت تھے۔ اسی طرح آج بھی صاحب شمشیر ومیزان بن سکتے ہیں۔ یہ وہ نصب العین ہے جو اسلامیان ہند کے سامنے ایک نئی زندگی کی نئی دنیا کا دروازہ کھولتا ہے۔

اسلامیہ ہند کا قومی مزاج دملی طبیعت، نفس اجتماعی اور قلب مشترک عرصہ سے اپنے کامل نمود و اظہار کے لئے ایک ایسے ہی تعمیری زندہ اور ہمہ گیر نصب العین کی پیاس شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ اس کامل نصب العین کو قومیت اسلامیہ ہند کے نیچرل بلوغ نے پیدا کیا ہے۔ اور کوئی طاقت اب اس نصب العین کو مسلمانان ہند کے دلوں اور دماغوں سے اوجھل نہیں کر سکتی ہے۔

ملت اسلامیہ ہند، کا یہ خیال وعقیدہ ہے کہ عام سیاسیات ومعاشیات الٰہیات عامہ، وعمرانیات کے دائروں میں بھی وہ تمام دوسرے مذہبوں، ملتوں اور پارٹیوں سے ایک بالکل جداگانہ ملی مفاد۔ ایک جداگانہ ملی نظریہ اور مسلک اور ایک جداگانہ ملی مشن، نصب العین اور آئیڈیل رکھتی ہے۔ جو قرآن و سنت کے لازوال چشمہ حیات سے۔ ماخوذ ومستفید ہے اور جس کو ہندی مسلم قوم صرف اسی صورت میں حاصل کر سکتی ہے۔ کہ وہ ایک مستقل اسلامی سلطنت بن جائے۔

ملّت اسلامیۂ ہند کے شعورِ قومیّت و احساسِ خودی کے چار دَور۔

حضرات!

ملّت اسلامیۂ ہند کی زندگی پر غدر ۱۸۵۷ء کے بعد چار دَور گذر رہے ہیں۔

(۱) اول دَور خواب و غنودگی۔ جو سلطنت مغلیہ کے تجزیہ و سقوط اور ایام غدر و مابعد غدر کا زمانہ ہے۔ جبکہ مسلمانوں کی عمومی تباہی و بربادی نے مسلمانوں پر ایک خوابِ مایوسی طاری کر دیا تھا۔ اور ان کا شیرازہ قومی بالکل بکھر گیا تھا۔ جس کا نقشہ ہم سرسید احمدؒ کی مذکورہ تقریریں دیکھ چکے ہیں۔

(۲) دوم دَور وفاداری اغیار و انگریز جو علی گڑھ تحریک کے بعد مسلمانوں کی قومی پالیسی قرار پائی تھی۔ اور جس کے زیر حمایت مسلمانوں کی تعلیمی و تمدنی ترقی کی کوشش جاری رہی۔ یہ دَور ۱۹۰۶ء یعنی آل انڈیا مسلم لیگ کی تاسیس پر جا کر ختم ہوئی۔

(۳) سوم۔ دَور وطنیت و تحفظاتِ ملّت۔ جو ۱۹۰۹ء سے لیکر ۱۹۳۹ء تک کا زمانہ ہے۔ اس مدّت میں مسلمانانِ ہند، ہندوستان کی قومیت متحدہ اور وطنیت کے ساتھ اپنی ملّت کے تحفظات کے پیوند لگانے میں مصروف رہے یعنی یہ کوشش کرتے رہے کہ وہ قومیت متحدہ کے اساس پر، ہندوستان میں ایک "نیشن اسٹیٹ" تعمیر کرنے میں بھی حصہ لیں اور ساتھ ہی اپنی اسلامی قومیت کی انفرادیت کو بھی قائم اور محفوظ رکھیں۔

اور چونکہ یہ دونوں باتیں بیک وقت و بیک مقام قطعاً ناممکن تھیں۔ لہٰذا وہ قومیت اور ملّت میں مصالحت کرانے میں بالکل ناکام رہے۔

قومیت ہندی اور قومیت اسلامی میں مصالحت کے معنیٰ

کفر و اسلام جیسی دو بالکل متضاد و متصادم قومیتوں کو ایک ہی جسم سلطنت میں سمونے کی غیر فطری کوشش کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔ اس کی ناکامی مقدر فطرت اور مقدر قضا و قدر تھی۔ آگ اور پانی کی یکجائی ممکن ہے۔ لیکن قومیت کفر و الحاد اور قومیت ایمان و اسلام کا اتحاد ناممکن ہے۔

(۴) چہارم دَور استقلال قومیت اسلام۔ جو قرارداد لاہور مارچ سنہ ۱۹۴۰ئہ سے باضابطہ شروع ہوا۔ اور جس کے باعث، مسلمانانِ ہند نے ایکبار اور ہمیشہ کے لئے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ایک مستقل نیشنیلٹی ہیں۔ اور ہندوستان کے کسی متحدہ نیشن اسٹیٹ کی تعمیر ان کی تقدیر نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں ان کی ملی فنا اور قومی ہلاکت کا خطرہ پوشیدہ ہے۔ بلکہ ان کی ملّی تقدیر، ہندوستان میں ایک مستقل آزاد و خود مختار اسلامی سلطنت کی صورت میں اپنی آپ تعمیر کرنا ہے۔

شعور قومیت اسلامیہ کے مذکورہ چار دوروں کی پیدا کردہ پانچ وحدتوں کا اساس

شعور قومیت اسلامی کے مذکورہ بالا چار دوروں نے، مسلمانانِ ہند کی جماعتی زندگی میں، مذکورہ ذیل پانچ وحدتوں کا اساس قومیت پیدا کیا ہے۔

اولاً وحدت نام ـ مسلمان عموماً عربی نام رکھتے ہیں، لیکن غیر مسلم اثرات کے باعث بہت سے مسلمانوں نے ہندی اور غیر اسلامی نام رکھنا شروع کیا تھا۔ بہت سے نومسلم قبائل ہندوانہ نام رکھتے تھے۔ اب مسلم قومیت کی تجدید کے ساتھ، عربی و اسلامی ناموں کا رواج ابھر رہا ہے حتیٰ کہ سر آغا خاں نے بھی اپنے نومسلم پیروؤں کو تاکید کی ہے کہ وہ اسلامی نام رکھیں۔

ثانیاً وحدتِ نعرہ ـ قدر بعد مسلمانوں میں ہندوستان گیر جمہوری تحریکات جاری ہوئیں لاکھوں جلسے اور جلوس منعقد ہوئے جس میں مسلمانوں کا ایک متحدہ قومی نعرہ اللہ اکبر عملاً جاری اور قائم ہوگیا۔ یہ نعرہ اسلامی قومیت کے نصب العین کا مظہر ہے۔

ثالثاً وحدتِ پرچم ـ مسلمانانِ ہند میں عملاً و رواجاً ایک متحدہ و مشترکہ آل انڈیا قومی جھنڈا جاری اور قائم ہوگیا جو سبز رنگ ہلال اور ستارہ اللہ اکبر کے نشانات پر مشتمل ہے، اور قومیت اسلامیہ ہند کے نصب العین کا نمایندہ ہے۔

رابعاً وحدتِ لباس ـ سر سید احمد، علی گڈھ، اور حیدرآباد کے اثرات کے ماتحت ہر صوبے کے مسلمانوں میں زبردست وحدت لباس پیدا ہوا۔ علی گڈھ پائجامہ، شیروانی، ترکی کوٹ، ترکی ٹوپی اور پنجابی طرہ و شلوار جیسے مسلمانوں کے وہ قومی لباس متعین ہو گئے جو ان کو دوسروں سے ممتاز اور علیحدہ کرتے ہیں۔ وحدت لباس کی یہ تحریک ابھی جاری ہے۔ پائجامہ آرہا ہے۔ دھوتی جا رہی ہے۔

خامساً وحدتِ ترانہ ـ حکیم الملت علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور عالم ترانۂ ملی۔ اسلامیانِ ہند کا متحدہ و مشترکہ قومی ترانہ کی حیثیت سے سرحد و بلوچستان سے لیکر مالابار اور آسام و تیراہ تک جاری ہوگیا ہے اور مسلمانوں کے قلب و دماغ میں حلول کر گیا ہے۔ یہ ترانۂ ملی ہی قومیت اسلامیہ کے اصول و احساسات کا مظہر ہے۔

مسلم لیگ کی دعوتِ اسلامی

اور

تعمیرِ "جماعت" اور تعمیرِ "سلطنت" کا نصب العین

مسلم لیگ، مسلمانانِ ہند کا اپنا دولتی نظام اور اپنا حکومتی سلسلہ ہے

لیگ ابھی "سلطنت در سلطنت" (IMPERIUM IN IMPERIO) کا ایک نامکمل ڈھانچہ ہے لیکن آئندہ پوری طرح ایک بالغ و راشد سلطنتِ اسلامیہ کا نظام بننا چاہتی ہے۔ اس کے ماتحت تمام برطانوی ہند کے مسلمان حیرت انگیز سرعت کے ساتھ متحد و منظم ہو رہے ہیں اور اب ریاستی ہند کے مسلمان بھی اس کے زیرِ علم متحد و منظم ہوتے جا رہے ہیں، یہ طاقت حاصل کر چکی ہے اور آیندہ سلطنت کی سلطانیت اور حکومت کی حاکمیت (ساورینٹی SOVEREIGNTY) بھی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ یہ ایک سال کا کام نہیں ہے بلکہ اس کی تکمیل کے لئے بہت زیادہ مدت کی مسلسل و مستقل جد و جہد و قربانی ضروری ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ مسلم لیگ کی تنظیم کیوں ہو رہی ہے۔ اور لیگ کیا کام کرنا چاہتی ہے اور مسلمانوں کو لیگ کے کام میں دل و جان سے کیوں حصہ لینا چاہیئے ؟

جواب یہ ہے کہ :-

مسلم لیگ، دس کروڑ اسلامیانِ ہند کی منظم جماعت سے عبارت

ہے اور مسلمانوں کے سیاسی وجود، اجتماعی ہستی، قومی "خودی" اور ملی قلب مشترک کی نمایندہ ہے اور ان کے اسلامی نصب العین حیات کی ترجمان ہے اور ہونا چاہتی ہے اور اس طرح ان کے جان وایمان کا جزو ہے اور ضرور ہے کہ مسلمان جماعت اسلامی کے اس مظہر و نمایندہ کے ساتھ جان وایمان کے ساتھ وابستہ ہوجائیں، اور سرزمین ہند میں اس کو اجتماعی لحاظ سے اپنی "خودنگری" "خودنمائی" اور" خودیابی" کا ذریعہ بنائیں۔

لیگ، ابھی نامکمل ہے لیکن یہ تکمیل کی راہ پر گامزن ہے اور اسکی کامیابی خود مسلمانوں کی صلاحیت پر منحصر ہے۔ مسلم لیگ اسلامیان ہند کی عظیم الشان قوم کی اپنی داخلی حکومت ہے اور ان کی ہر طرح حفاظت خدمت، ترقی و تعمیر کی ذمہ دار ہے، جیسا کہ ہر حکومت کا فرض ہے۔

مسلم لیگ دس کروڑ اسلامیان ہند کی قومیت کو مستحکم اور مستقل آزاد و خودمختار پوزیشن میں قائم و دائم کرنا چاہتی ہے اور سلطنت اسلامیہ ہند کی قومیت کو ہندوستان کے اندر استقلال، استحکام اور دوام عطا کرنا چاہتی ہے تاکہ وہ اسلام کے عالمگیر نصب العین کو پورا کرنے میں عظیم الشان حصہ لے۔

مسلم لیگ، شیرازۂ ملت اسلامیہ کو ایک عالمگیر امت کی حیثیت سے مربوط، منضبط، اور مضبوط کرنا چاہتی ہے اور ملت اسلامیہ کو تعمیر عالم کے ابراہیمی نصب العین خلافت اللہ فی الارض (عالمگیر سلطنت الٰہی) کی قرآنی تقدیر، اور شریعت الٰہی کے محمدی دستور اساسی کے عملی نفاذ کے لئے ہر طرح، تیار کرنا چاہتی ہے اور مسلمانوں کو

اس کے لئے ہر جد و جہد اور ہر قربانی کے لائق بنانا چاہئے۔

مسلم لیگ کے کاموں کی نوعیت چار طرح کی ہے، ہو سکتی ہے اور ہونی چاہئے:-

۱۔ تنظیم ملت
۲۔ دفاع ملت
۳۔ تعمیر ملت
۴۔ توسیع و تکمیل ملت

(۱) تنظیم ملت سب سے اوّل تو یہ ضروری ہے کہ دس کروڑ مسلمانان ہندوستان کو جو اپنی "سلطنت" کی اعلیٰ ترین دولتِ تنظیم اور نظم ملت کے فولادی خول اور آہنی حصار سے محروم ہو گئے ہیں، اس طرح باہم جوڑ دیا جائے کہ وہ جانوروں کے گلوں، ریوڑوں، اور بھیڑوں کی جگہ **جماعت** بن جائیں۔ اور "دیوار مرصوص" کی طاقت حاصل کرلیں۔ "افراد" کے لئے جماعت سے باہر کی زندگی، دراصل جاہلیت کی زندگی اور "جماعت" سے باہر کی موت کفر کی موت ہے۔ علیکم بالجماعت فانہ من شذ شذ فی النار (ہمیشہ جماعت کے ساتھ رہو، کیونکہ جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا) اعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا (اللہ کی رسی کو "جماعتی" حیثیت سے مل کر مضبوط تھام لو اور ٹکڑے ٹکڑے مت ہو جاؤ۔ ورنہ تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی) کی تعلیم پر عمل کرنا جماعت سے باہر رہ کر ناممکن ہے۔

"جماعت" دراصل "سلطنت" سے بھی زیادہ اہم، بنیادی،

اساسی، اور جوہری چیز ہے۔ "سلطنت" کھونے کے بعد مسلمان کی مسلمانیت کمزور ہو جاتی ہے، خطرے میں پڑ جاتی ہے اور خلافت ارضی کے نصب العین سے دور ہو جاتی ہے۔ لیکن "جماعت" کھونے کے بعد مسلمان کی مسلمانیت مر جاتی ہے، فنا ہو جاتی ہے۔ سلطنت جسم تنظیم ہے۔ جماعت روح تنظیم ہے۔ کوئی قوم جب تک جماعت نہیں بنتی ہے۔ سلطنت نہیں بنا سکتی ہے۔ اور کوئی قوم جب تک سلطنت نہیں بناتی ہے اپنی جماعت کی تکمیل نہیں کر سکتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ سلطنت دنیا میں تنظیم کی سب سے بڑی قاہرانہ صورت اور اللہ کی وہ نعمت ہے جس کا وعدہ اس نے اپنے صالح بندوں سے کیا ہے۔ جماعت (۱) ایمان و عمل کے اتحاد (۲) شریعت و اخلاق کے اتحاد (۳) معاشرت و معیشت کے اتحاد (۴) تمدن و تہذیب کے اتحاد اور (۵) زبان و ادب اور (۶) فنون جمیلہ کے خاص تصورات کے عمومی اتحاد سے تکوین پاتی ہے۔ اور سلطنت وہ آلۂ عمل ہے جس کے ذریعہ جماعت اپنی حاکمیت کو قوتِ قاہرہ اور قانونِ عامہ کے ذریعہ قائم کرتی اور اپنے خاص جماعتی اصول کو جاری کرتی اور اپنے خاص جماعتی نصب العین کو حاصل کرتی ہے۔

ہر مسلمان کا دینی فرض ہے کہ وہ جماعتِ اسلامی کا اسی نصب العین یعنی "حاکمیت اسلامی" کے قیام کے نصب العین کو قبول کرے۔ اسلام میں "جماعت" کا تصور یہ ہے کہ تمام افراد ملت ایک امام اور لیڈر کے اشارے پر قیام، رکوع اور سجدہ کریں۔ سب ایک ہی سمت میں کھڑے ہوں، سب کے منہ ایک ہی قبلہ کی طرف ہوں۔ سب کے دل ایک ہی خدا

کی طرف مائل ہوں۔ سب کی زبانوں پر ایک ہی زبان جاری ہو۔ اور سب خدا کی عبادت کو اپنی حرّیت و امامت کا اساس اور خدا کی توحید اور رسولؐ کی رسالت کو تمام قائلین کلمہ کی باہمی اخوت کی بنیاد بنا ہیں۔

افسوس ہے کہ مسلمانان ہند نے سلطنت کی نعمت خداوندی اور دولت تنظیم کو گنوانے کے ساتھ "جماعت" کی شرط مسلمانیت بھی کھودی، انہوں نے جماعت اسلامی حبل اللہ کو چھوڑ دیا ہے ان کے دلوں میں "وہن" یعنی حب الدنیا و کراہیت الموت (دنیا کی محبت اور موت سے ڈر) کا روگ پیدا ہوگیا ہے۔ پس ان کی ہوا اکھڑ گئی ہے وہ سیلاب انقلاب کے جھاگ اور طوفانِ حوادث کے خس و خاشاک بن گئے ہیں۔ کفر کے دانت ان پر تیز ہوگئے ہیں اور وہ کافروں کے منہ کے تر نوالے بنتے جا رہے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے "وہن" کو نکالا جائے۔ خدا کی وحدانیت، رسولؐ کی آخری رسالت، اور امت محمدیؐ کی آخری امامت ارضی پر ایمان تازہ کیا جائے اور مسلمانوں کی جماعتی مشن اور نصب العین کے عقیدہ کو ان کی روحوں میں پیوست کیا جائے۔ اور پھر اس روحانی انقلاب کو جماعت سازی اور سلطنت سازی کے لئے کام میں لایا جائے۔ ضرورت اور سخت ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے افراد، اشخاص، و طبقات باہم منضبط ہو کر منظم جماعت بن جائیں۔ کیونکہ تعمیر جماعت ان کے ایمان و اسلام کی شرط ہے اور وہ حقیقت میں مسلمان ہو ہی نہیں سکتے جب تک وہ ربط ملت کو اصول شریعت کے مطابق مضبوط کر کے "جماعت" کو وجود میں نہ لائیں۔ اور جب تک ملی لحاظ سے اسلامیان ہند کو متحد الخیال، متحد الارادہ اور متحد العمل

نہ بنا دیں کہ وہ ایک فردِ واحد کی فردیّت حاصل کریں اور ان کی پوری جماعت ایک امام لیڈر کے اشارے پر خیبر سے راس کماری اور قلات سے رنگون تک ایک ساتھ اٹھنا اور جھکنا، بیٹھنا اور کھڑا ہونا نہ سیکھ لے

اگر تلوار کی طاقت نہ ہو تو اسلام محض ایک ہیجان تصوف ہے

آج مسلم لیگ کے سامنے ہندوستان میں اسی نصب العین یعنی تعمیر "جماعت" و تعمیر "سلطنت" کے مقصد کے ساتھ مختلف مسلم فرقوں برادریوں، اور قبیلوں کو کلمۂ اسلام کی بنیاد پر اعلاءِ کلمۂ اسلام کے لئے باہم جوڑنے کا اہم ترین کام درپیش ہے۔ اور ہر لحاظ سے یہ کام ضروری ہے۔ دینی و شرعی لحاظ سے تنظیم، شرطِ مسلمانیت ہے اور اس لئے فرض و واجب ہے کیونکہ اس کے بغیر مسلمانوں کی مسلمانیت ناقص و نامکمل رہتی ہے اور دنیادی لحاظ سے تنظیم اس وقت موجودہ ہندوستان میں شرطِ زندگی و آزادی ہے۔ اور تنظیم کے بغیر مسلمانوں کا زندہ اور آزاد رہنا بالکل ناممکن ہے۔

بعض بھائی پوچھتے ہیں کہ مسلم لیگ کی تنظیم کیوں کی جائے؟ ہم ان کی خدمت میں عرض کریں گے کہ تنظیم، محض تنظیم کی خاطر بھی کی جائے۔ تب بھی یہ ضروری و لازمی اور فرض و واجب ہے اور مسلمانوں کی مسلمانیت کے لئے بمنزلہ شرطِ مسلمانیت ہے کیونکہ قرآن و حدیث کی تعلیم کے مطابق اسلام اور مسلمان کا تصوّر "جماعت" سے الگ قطعی طور پر ناممکن ہے اور حق یہ ہے کہ "جماعت" اسلامی اپنے اصول حقوق و فرائض کے مکمل نظام تمدن کے ساتھ اس وقت تک جلوہ گر ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ جب تک اسلامی "سلطنت" کی سلطانیت، جماعتِ اسلامی کی شریعت کی قوت

نافذہ نہ ہو۔ اور جب تک قرآن، تلوار کی حفاظت کے لئے اور تلوار قرآن کی حفاظت کے لئے جماعت کے ہاتھ میں نہ ہو۔ جو شخص اسلامی جماعت، و اسلامی سلطنت کا یہ تو ام عقیدہ نہیں رکھتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔ لیکن الحمدللہ کہ ہمارے سامنے تو "جماعت" سازی اور تنظیم ملی کا عظیم الشان نصب العین ہے یعنی زمین پر خلافت الٰہی، شریعت اسلامی، اور امت محمدی کی برتری، غلبہ اور سلطان کو قائم کرنا۔ کیونکہ تقدیر الٰہی نے آسمانی شریعت کو دنیا کی تمام زمینی شریعتوں پر غالب کرنے کے لئے اور امتِ محمدی کو دنیا کی تمام امتوں کی امامت کرنے کے لئے مقدر کیا ہے۔ حاملانِ شریعت خداوندی زمین پر خدا کے خلیفہ و نائب ہیں۔ اور ان کی وجہ زیست یہی ہے کہ وہ عالم انسانیت کی، ایک خدائی نقشہ تعمیر کے متعلق نئے سرے سے تعمیر کریں۔ اسلام دنیا کی اولین و آخرین دعوت تعمیر ہے اور یہ تو بالکل ظاہر و باہر ہے کہ اگر سلطنت کی سلطانیت اور حکومت کی حاکمیت اور شریعت کی تلوار کی طاقت نہ ہو تو اسلام محض بیجان تصوف، مردہ فلسفہ اور بے روح رہبانیت کا ڈھانچہ رہ جاتا ہے۔ پس مسلمانوں کو زمین۔ روٹی۔ آزادی۔ سوراج۔ رام راج۔ رنگ و نسل کے نام پر نہیں بلکہ کلمۂ اسلام اور قرآنی خلافت الٰہی کے نصب العین کے نام پر جمع کرنا۔ اور ایک متحد و منظم "جماعت" بنانا مسلم لیگ کا اصل مقصد اور اصل کام ہے۔ اس عظیم الشان کام کے لئے سچے غیر متزلزل ایمان والوں کی طاقت ایمانی۔ جوش عمل اور جذبۂ جہاد اور قوت قربانی کی ضرورت ہے! برادران اسلام یہاں ہمیں اس نکتے پر بھی غور کرنا چاہئے کہ ملت حنیفہ کی ابراہیمی تاسیس اور محمدی تکمیل کے یہی معنیٰ ہیں۔

(۲) دفاعِ ملت

تنظیم جماعت کا دوسرا مقصود دفاعِ ملت، یعنی ملت اسلامیہ کو اندرونی اور بیرونی حملوں سے بچانے کا مقصود ہے۔ ملت اسلامیہ ہند آج حقیقت میں ایک چوتھی پانی پت کی جنگ لڑنے میں مصروف ہے۔ "رام راج" کے نام سے "گاندھی مت" کے پرچار کی کوشش، حکومت، وزارت، اور قانون کی قوتِ قاہرہ کی مدد سے کی جا رہی ہے۔ مسلمانوں کو "بندے ماترم پوجا" "ترنگا پوجا" (وندھن پوجا) اور "گاندھی پوجا" پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کی سیاست و معیشت، تمدن و تہذیب کے ہر میدان میں بیخ کنی کی کوشش سرحد سے لے کر مالابار، اور سندھ سے لیکر برما تک جاری ہے۔ مسلمانوں کی جان، مال، عزت، آبرو دین و شریعت کوئی چیز بھی کانگریسی وزارتوں میں محفوظ نہیں ہے صوبائی سوراج اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء مسلمانوں اور دوسری قلیتوں کے لحاظ سے بالکل ناکام ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں میں زبردست بے چینی اور بے اطمینانی کی آگ سلگ رہی ہے۔ جو دراصل ایک بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ بقول مسٹر گاندھی کانگریس اور برطانیہ کے درمیان ایک جنٹلمین اگریمنٹ GENTLEMEN'S AGREEMENT شریفوں کا عہد نامہ دوستی ہو چکا تھا۔ ہندو اور انگریز بظاہر اپنے اغراض کے لئے مل گئے تھے۔ ہندو اور انگریز بظاہر اپنے اغراض کے لئے مل گئے تھے ہندو اپنے سامراجی اغراض کے لئے انگریز کا ساتھ ہو گیا تھا اور انگریز اپنے سامراجی اغراض کے لئے ہندو کا ساتھی ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کا وجود ان دو ہندو اور انگریزی سامراجوں کے درمیان معرضِ خطر میں

آچکا ہے۔ مسلمانوں کی زبان، تعلیم، تہذیب، اور مسلمانیت فنا کرنے کی منظم سازش ہو رہی ہے۔ برطانوی ہند سے ریاستوں میں مسلمانوں کو ستایا جا رہا ہے۔ الغرض سارے ملک میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ اور ظلم و فساد اور طوائف الملوکی کا دَور دورہ ہے اور ہندو اور انگریز کی دوہری غلامی کا عفریت انقلاب مسلمانوں کی قوم کو نگلنے اور ہضم کرنے کے لئے منہ پھاڑے کھڑا ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے سامنے یہ اہم مسئلہ ہے کہ پانی پت کی اس چوتھی جنگ کو کیسے سر کیا جائے۔ اور ملت اسلامیہ کو دوہری غلامی کی ہلاکت سے کیسے محفوظ رکھا جائے۔ ہندوستان میں اسلامی فیڈریشن پاکستان، یعنی اسلامی سلطنت قائم کرنے کی اسکیم بھی زیرِ غور ہے۔ مسلم لیگ اینگلو، ہندو فیڈریشن مجوزہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے مقابلے کے لئے ایک زبردست اسکیم کی تیاری میں مصروف ہے جو انشاءاللہ دس کروڑ اسلامیانِ ہند کے سامنے زندگی و آزادی اور عمل و جہاد کی ایک نئی دنیا رامید کا دروازہ کھول دے گی۔ اور مسلمانوں کو مایوسی کے کفرستان سے نکال کر امید و ایمان کے اسلامستان اور طاقت و سلطنت کے ارضِ موعود میں لے جائے گی۔

برادرانِ اسلام و خواہرانِ کرام! | آزاد ہندوستان میں آزاد ملتِ اسلام کی تعمیر، عظیم الشان جانی و مالی جہاد و قربانی کی طالب ہے اور لازم و ضروری ہے کہ مسلمان اس کی تیاری و آبیاری جماعتی حیثیت سے کریں۔ اسباب و سامان فراہم کریں۔ ہر طرح کی قوتوں کو اکھٹا کرنا ذرائع اور وسائل معلومات اور مواد، روپیہ، آدمی، کارکن، خدام

رضاکار، فدائی، مہاجرین فی سبیل اللہ، انصار اللہ اور مجاہدین فی سبیل اللہ کو فراہم کرنا۔ اور سب کو خیبر سے راس کماری اور قلات سے رنگون تک ایک سلک تنظیم میں اس طرح پرو کر منسلک کرنا کہ دس کروڑ فرزندان توحید ایک اشارے پر حرکت کریں اور عمل و جہاد کے لئے تیار ہو جائیں۔ ہندوستان جدید کے انقلاب کے اندر مسلمانوں کی جماعتی زندگی، ملّی خودمختاری، اور اسلامی آزادی کی واحد ضمانت ہے۔ اور اسلامی آزادی اور ملّی استقلال کا واحد عملی مطلوب و مقصود ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے لئے ایک آزاد زمین، ایک خود مختار وطن اور ایک مستقل مقام کی پوزیشن حاصل کرنا اور اسلام کے مخصوص نظام تمدن و عمران کو عملاً جاری و نافذ کرنے کے لئے اسلامی سلطنت قائم کرنا ہے۔

جو شخص اسلام کے اس صاف، صریح، اور روشن نصب العین کے اظہار و بیان سے ڈرتا اور شرماتا ہے شرک اور ضعف ایمان کے روگ میں مبتلا ہے۔ اللہ اس کے روگ کو شفا بخشے یا اس کے منافقانہ وجود سے ملّت کو پاک کر دے۔

دفاعِ ملّت کی اس عظیم الشان مہم کے لئے "اوّلین ضرورت" سائنوز آف وار (SINEWS OF WAR) کی فراہمی ہے۔ اور "سائنوز آف وار" نام ہے مخلصوں، مجاہدوں اور کارکنوں کی فوج اور "قومی سرمایہ" کے اجتماع کا۔

(۴۳) تعمیرِ ملّت

ملّت کی زندگی اور بقا کے لئے تنظیم "سلطنت" اور تنظیم "جماعت" کا مرحلہ جس طرح ضروری ہے

"تعمیر ملت" یا تنظیم قوائے حیات یعنی تنظیم قوتِ احساس، تنظیم قوتِ فکر، تنظیم قوتِ ارادہ، اور تنظیم قوتِ عمل اور تنظیم وسائل زندگی و ترقی بھی اسی طرح لازمی و ضروری ہے۔ تاکہ مسلم قوم کی دنیاوی، مادی، اقتصادی، معاشی و معاشرتی ضروریات پوری ہوں۔ رسوم کی اصلاح کی جائے مسلم سوسائٹی کی خرابیوں اور غیر شرعی ناہمواریوں کو دور کیا جائے۔ مسلمانوں کے درمیان سے نسلی برادریوں کی تفریقات کو دور کیا جائے مسلمانوں کی بے روزگاری دفع کی جائے۔ اسراف اور فضول خرچی کے سرچشمے بند کئے جائیں۔ مسلمانوں کی انفرادی و جماعتی آمدنی اور کمائی ثروت اور خوش حالی کو بڑھایا جائے۔ روپیہ پس انداز کرنے اور قومی سرمایہ بیت المال و خزینہ عامرہ کی تعمیر کی کوشش اور صدقات و خیرات کی جماعتی فراہمی اور جماعتی خرچ کا بندوبست کیا جائے اور اسلامی اصول اقتصادیات کے مطابق ملک وملت کی جدید تعمیر میں حصہ لیا جائے اور مسلم قوم کو عادلانہ تقسیم دولت و خوش حالی کے اعتبار سے دوسری قوموں کے لئے نمونہ بنایا جائے۔ مسلم سوسائٹی سے جات پات اور اونچ نیچ کے ناجائز امتیازات کو مٹایا جائے۔ اور جماعت اسلامی کو باہمی اخوت باہمی رواداری، باہمی محبت واخلاص واتفاق اور باہمی حسن سلوک اور باہمی احترام حقوق و فرائض کے لحاظ سے دنیا کے لئے نمونہ کی مثالی سوسائٹی کی صورت دی جائے۔

مسلمانوں کی دینی و دنیاوی، علمی و صنعتی تعلیم کا بہترین نظم کیا جائے ان کی زبان وادب، تمدن تہذیب کی ترقی و تعمیر صحیح اصول پر کیجائے اس طرح کے بہت سے تعمیری اور عملی خدمات ہیں۔ جن کا انجام دینا

قوموں کی ترقی کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ "تعمیر" ایک مشکل کام ہے جو "تنظیم" اور "دفاع" کی طرح بہت اہم ہے۔ بقول قرآن، قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدل سکتی جب تک قوم اپنی حالت بدلنے کو تیار نہ ہو اور جب تک اس کے لئے کوشش اور قربانی کے لئے ایک منظم جماعت موجود نہ ہو۔

تعمیر ملت کا عظیم الشان انسانی سرمایہ HUMAN CAPITAL اور مالی سرمایہ کی فراہمی کا محتاج ہے۔ اور مسلم لیگ "انسانی" سرمایہ اور "مالی" سرمایہ کی تنظیم کا نام ہے۔

(۴) توسیع وتکمیل ملت

ملت اسلامیہ صرف "تنظیم" یا صرف "دفاع" یا صرف داخلی "تعمیر" کے ذریعہ زندہ نہیں رہ سکتی ہے۔ پس ضروری اور لازمی ہے کہ مسلمان "دفاع" سے قدم آگے بڑھائیں اور "جارحانہ حرکت" کی پالیسی اختیار کریں۔ کائنات، فطرت کی قوتوں اور کائنات انسانیت کی قوموں اور ملکوں کی تسخیر کو اپنا مقصود بنائیں۔ اور ملتِ اسلامیہ کے حدود اربعہ کی توسیع و ترقی کا کام جوشِ ایمان اور جوشِ جہاد کے ساتھ جاری رکھیں۔ اور امتِ محمدی کو ایک ہمیشہ آگے بڑھنے والی ترقی پرور امت بنائیں۔ توسیع ملت کے معنی اسلام کے مخصوص روحانی اور سیاسی حلقہ کی ترقی ہے۔ مسلمانوں کا جماعتی فرض ہے کہ وہ صرف اپنے آپ کو مسلمان رکھنے اور مسلمان بنانے پر بس نہیں کریں۔ بلکہ دنیا کی دوسری قوموں تک پیغام حق پہنچائیں اور نظام اسلام کی برتری کو تبلیغ، حکومت اور ہر جائز اور شرعی طاقت کے ذریعہ قائم کریں۔ اور یاد رکھیں کہ "آغش"

OFFENCE جارحانہ حملہ "ڈی فنس" DEFENCE مدافعت کی واحد عملی صورت ہے۔ اور طاقت کا واحد جائز و شرعی مقصد اور وظیفہ، قانون الٰہی کی برتری اور غلبہ کا قیام ہے۔

یہ وہ کام ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جماعتی حیثیت سے انجام دیا۔ اور جس کو خلفہ و ائمہ اسلامؒ نے جاری رکھا۔ اور جس کی تکمیل امتِ محمدیؐ کا اس سرزمین پر واحد نصب العین ہے۔ توسیع ملت کا پروگرام "اتمام نور" کے وعدۂ الٰہی کی تکمیل کے لئے لازمی ہے۔ مسلم لیگ کی تنظیم کو اس قابل ہونا چاہیئے کہ اول تو وہ خود موجودہ مسلمانوں کو ہر لحاظ سے پکا اور سچا بنائے۔ اور مسلمانوں کی سوسائٹی کو حقیقی اسلامی سوسائٹی کی شکل میں تشکیل کرے۔ دوئم اسلام اور نظام اسلام کی اشاعت کے لئے مسلسل جد وجہد جاری رکھے۔ تاکہ یہ ساری دنیائے انسانیت اسلامی نظام کے ماتحت آجائے۔

مسلم لیگ کی چند دنوں میں حیرت انگیز خدمات

حضرات!

مسلم لیگ کے یہ اعزاض و مقاصد ہیں۔ اب آئیے ذرا ہم اسکے عملی کاموں کا سرسری جائزہ لیں اور دیکھیں کہ اس نے سیاسیات ملک و ملت میں کیا تبدیلی پیدا کی ہے۔

مسلم لیگ، ایک جمہوری تنظیم کے لحاظ سے، اکتوبر ۱۹۳۷ء سے زیادہ پہلے کی نہیں ہے۔ اس کے دستور اساسی اور پالیسی میں لکھنؤ کے اجلاس، اکتوبر ۱۹۳۷ء میں وہ ترمیم ہوئی جس کے رو سے یہ بالکل جمہوری تنظیم بن گئی۔ اس کی ممبری کا دروازہ ہر مسلمان کے لیے جو اس کے اعزاض و مقاصد کے میثاق کو قبول کرے اور دو آنے فیس ممبری ادا کرے، کھول دیا گیا، اسکا نصب العین آزادی ملک و ملت قرار پایا ان انقلاب آفریں تبدیلیوں کا عظیم الشان اثر ظاہر ہوا۔ مسلمانان ہند نے خیبر سے لیکر راس کماری اور کراچی سے لیکر شیلانگ تک حیرت انگیز سرعت اور عام جوش و خروش کے ساتھ لیگ کے جھنڈے کے ماتحت مسلم قوم کی جمہوری تنظیم مکمل کر لی، فنڈ اور تجربہ کار کارکنوں کی کمی کے باوجود اور انتہائی مخالفانہ بلکہ مایوسانہ حالات میں مسلمانوں نے جس طرح اپنے آپ کو اسلامی جھنڈے کے ماتحت آناً فاناً منظم کر لیا۔ وہ دوستوں اور دشمنوں سب کے لئے ایک عجیب و غریب جمہوری و نفسیاتی انقلاب تھا۔ جس کی نظیر اس ملک کی تاریخ میں کوئی دوسری ملت پیش نہیں کر سکتی ہے لیگ کی آواز ہندوستان کے گوشہ گوشہ کونے کونے قریہ قریہ بلکہ ہزاری باغ اور چھوٹا ناگپور کے دور دست جنگلوں تک میں پہونچ گئی ریاستی

ہند کے مسلمانوں نے بھی کروٹ لی اور نواب بہادر یار جنگ قائد حیدرآباد دکن کی صدارت میں ایک انڈین اسٹیٹس مسلم لیگ قائم کر لی۔ جس کی شاخیں، کاشمیر سے لیکر میسور کی ریاستوں تک قائم ہو چکی ہیں۔ ہزاروں لاکھوں جلسے منعقد ہو چکے ہیں۔ لٹریچر کا ایک انبار لگ چکا ہے۔

سارے ہندوستان میں مسلمانوں کا اس طرح آناً فاناً جنگل کی آگ اور بجلی کی طراری و تیزی کے ساتھ ایک آواز، ایک جھنڈا، ایک لیڈر کے ماتحت ایک پلاٹ فارم پر جمع، متحد، اور منظم کر دینا وہ کارنامہ ہے۔ جو اغیار باوجود حکومتی سرپرستی اور ہر طرح کے سرمایہ دارانہ اور صحافتی سامانوں کی کثرت اور کارکنوں کی فوج رکھنے کے نصف صدی میں بھی انجام نہیں دے سکے۔

آل انڈیا قومی تنظیم کے نفسیاتی انقلاب سے کیا کیا ظاہر ہے؟

برادران ملت!۔

اس حیرت انگیز نفسیاتی واقعۂ انقلاب سے کئی باتیں ظاہر ہیں جن کو اچھی طرح سمجھنا چاہیے۔ پہلی اور اہم ترین حقیقت یہ ہے کہ "جماعت" اور جماعتی زندگی "مسلم" کی فطرت سلیم اور فطرت صحیح کا نام ہے۔ مسلم "جماعت" میں رہکر اپنی حقیقی فطرت پر قائم ہوتا ہے اور "جماعت" سے الگ ہوکر غیر فطری اور غیر اسلامی زندگی کی "انارکی" میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اپنے اسلامی وجود کو جھٹلاتا ہے۔ "جماعت" اور "مسلم" مترادف الفاظ ہیں۔ مسلم اسی وقت اپنی ہستی کو پہچانتا اور اپنے آپ میں آتا ہے جبکہ وہ انفرادیت سے گذر کر

جماعت بن جاتا ہے۔ لہذا مسلمانان ہند کی، کی غیر جماعتی زندگی اُن کی فطری زندگی نہیں تھی۔ اور جماعت، کی طرف ان کا عود کرنا، دراصل ان کی اصلی وحقیقی فطرت اسلامی کی طرف عود کرنا تھا۔

نیشنل مائنڈ کی حرکت!

دوم یہ نفسیاتی واقعۂ انقلاب، ہندی مسلم قومیت کے وجود کا زندہ ثبوت ہے۔ ہندی مسلم قوم، ایک مستقل قوم ہے۔ اور ایک مستقل وجداگانہ مسلم نیشنل مائنڈ (ملی نفسِ اجتماعی) رکھتا ہے۔ اور یہ قومی "دماغ" ایک خاص جذبۂ ایک خاص خیال اور ایک خاص ارادہ سے ساری قوم کو سارے ملک میں بیک وقت متحرک کر سکتا ہے۔ جس طرح ہمارے سارے جسم کو ہمارا دماغ ایک خیال وارادہ سے متحرک کر دیتا ہے۔ اسی "قلب مشترک" کا دوسرا نام "قلبِ قومیت" ہے اور آپ نے دیکھ لیا کہ مسلمانان ہند کا قلب قومیت نہ صرف موجود اور زندہ ہے۔ بلکہ تندرست اور قوی ہے۔ اور سارے جسم ملت اسلامیہ ہند میں خونِ صالح تقسیم کر رہا ہے۔

اپنی رُوحوں کو دوبارہ فتح کرو۔ اپنی خودی کو دوبارہ حاصل کرو"

سوم یہ واقعۂ انقلاب، قومیت اسلامیۂ ہند کے عظیم الشان بے پایان اور بے نظیر، سیاسی احساس وصلاحیت کا مظاہرہ عام ہے۔ اس واقعہ نے ثابت کر دیا کہ اگر ہندوستان میں کوئی قوم ہے تو مسلمان قوم اور اگر کسی قوم میں حقیقی "پولیٹیکل انسٹنکٹ" INSTINCT یعنی سیاسی طبیعت وسیاسی حس ہے۔ تو وہ مسلمان قوم ہے۔ مسلمان قوم کی اگر اس کی اسلامی فطرت

کے مطابق صحیح اور بہادرانہ رہنمائی کی جائے تو وہ ایک نئے سیاسی ہندوستان کا نیا آسمان اور نئی زمین تعمیر کر سکتا ہے۔

مسلم قومی خودداری اور ایمان بالذات کا قیام

مسلم لیگ کا سب سے بڑا کارنامہ ملّت اسلامیہ ہند کی قومی "خودداری" کی بحالی اور اس کی مرعوبیت، ہزیمت خوردگی۔ (DEFEATISM) اور احساس ہیچ قدری کو مٹا کر ایمان بالذات و اعتماد علی النفس کا قائم کرنا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ صوبائی سوراج یا پرونیشل اٹونومی کی آمد کے حالات کے مقابلے کے لئے مسلم قوم نے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ اور جب ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۷ء میں صوبائی اسمبلیوں کے جنرل انتخابات ہوئے تھے۔ تو مسلم لیگ جمہوری تنظیم کی طاقت سے محروم تھی، بنا بریں جب صوبائی سوراج کا نظام کانگریسی وزارتوں کے نام اور رہنا دراج کی صورت میں قائم ہوا۔ اور مسلمانوں کی ملّی ہستی پر ہر طرف سے یورش ہوئی تو مسلمان حیران و پریشان، بے یار و مددگار تھا۔ اور اسے نہیں معلوم تھا کہ کہاں جائے اور کیا کرے۔

کانگرس کا لیگ کو توڑ دینے اور کامل حوالگی کا مطالبہ

کانگریس نے وزارتوں کی ترتیب میں مسلم قوم کے نمایندوں کو جماعتی حیثیت سے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور مولانا ابو الکلام آزاد صاحب نے چودھری خلیق الزماں لیڈر مسلم لیگ پارٹی یو۔پی۔ کے سامنے اپنے ہندو کانگریسی نیتاؤں کی طرف سے مندرجہ ذیل شرطیں ترتیب وزارت کے پہلے پیش کی تھیں۔

مسلم لیگ پارٹی ایک علیحدہ اور مستقل پارٹی کی حیثیت سے ختم کر دی جائے۔

(۲) مسلم لیگ پارٹی کے ممبر کانگرس پارٹی میں شامل ہو جائیں اور مسلم لیگ پارٹی، کانگرس میں ضم اور فنا ہو جائے۔

(۳) تمام مسلمان ممبر، کانگرس ورکنگ کمیٹی کے احکام و ہدایات کی پیروی کریں۔

(۴) مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ توڑ دی جائے اور آئندہ الیکشنوں میں مسلم لیگ کوئی ممبر کھڑا نہیں کرے۔ بلکہ سب کانگرس کے ٹکٹ پر کھڑے ہوں۔

(۵) تمام مسلمان ممبر کانگرس پارٹی کے ضوابط و احکام کی پابندی کریں۔

(۶) اگر کانگرس فیصلہ کرے کہ تمام ممبر اسمبلی سے استعفا داخل کریں تو تمام مسلمان ممبر بھی کانگرس کے حکم پر استعفا داخل کر دیں۔"

(ملاحظہ ہو آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام صفحہ ۴۴۔ ۴۵)

اس کامل حوالگی۔ اور جماعتی فنا اور موت کے بدلہ میں جناب ابو الکلام آزاد صاحب نے اپنے کانگرسی نیتاؤں کی طرف سے اس فیاضانہ "خیرات" کی امید دلائی تھی کہ کانگرس، کچھ مسلمانوں کو وزارت میں لے لیگی۔ یعنی مسلمانوں کو فردی حیثیت سے لیا جائے گا۔ لیکن مسلم جماعت کو ایک فریق مقابل اور سہم دار ساوی کی حیثیت سے نہیں مانا جائے گا۔

لیکن مسلم لیگ نے اِن ذلیل شرائط کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اور مسلمانوں کی جماعتی ہستی اور ملّی انفرادیت کی موت کے فتویٰ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اور عامۂ مسلمین کو خود اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر تمام مخالفانہ حالات سے مقابلے کے لئے تیار ہونے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے اس دعوتِ خودداری کو لبیک کہا۔ اور قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کے لیگ کے خطبۂ لکھنؤ کے یہ الفاظ

ہ مسلمان کی روح میں پیوست ہو گئے۔ Recapture your Souls

Regain your Self

"اپنی روحوں کو دوبارہ فتح کرو اپنی خودی کو دوبارہ حاصل کرو" پیام اقبال کی روح اور ایمان میں سرتڑپے ہوئے لفظوں نے مسلمانوں کو زندہ کر دیا۔ اور وہ سخت ترین مظالم اور استبدادی فسطائیت کے مقابلے میں جوانمردوں کی طرح ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔

جنٹلمین اگریمینٹ یعنی شریفوں کا عہد نامہ

"جنٹلمین اگریمینٹ" یعنی وائسرائے اور مسٹر گاندھی کے درمیان شریفوں کے عہد نامہ کے مطابق انگریز نے کانگرس کو داخلی معاملات میں جبتک کہ وہ امپیریل مفاد کو صدمہ نہ پہنچائیں، بالکل آزاد چھوڑ دیا۔ اور دستور اساسی کی رُو سے گورنر کو اقلیات کی حفاظت کے لئے جو اختیاراتِ خصوصی حاصل تھے، اس کے استعمال کرنے سے، مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے بار بار مطالبہ کے باوجود انکار کر دیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ مذکورہ "شریفوں" کے عہد نامہ کی رو سے انگریز سے مسٹر گاندھی اور کانگرس نے وعدہ لیا تھا کہ گورنر، اور گورنر جنرل اقلیات کی حفاظت کے لئے اپنے اختیاراتِ خصوصی کام میں نہیں لائیں گے۔ اور کانگریس کو حکومت کرنے کی پوری آزادی دیں گے۔

مسلم ماس کنٹیکٹ یعنی مسلمانوں کی جماعتی ہستی کے تحلیل کرنیکی مہم

چوتھی طرف کانگرس کے اس دعوی فضیلت کو مستحکم کرنے اور ملت

۱۴۶ الف

گورنر بمبئی سر راجر لوملے کی صاف گوئی مسلم قوم کی ملی نیابت سے انکار

دوسری طرف صوبہ بمبئی میں "جنٹلمین ایگریمنٹ" اس طرح ظاہر ہوا کہ کانگریس نے فیصلہ کیا کہ صوبہ بمبئی میں مسلمانوں کی پوزیشن اور تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے کم سے کم دو مسلمان وزیر لینا چاہیے۔ کانگریس پارٹی نے مسٹر یسین نوری نامی ایک انڈی پنڈنٹ ممبر کو جو مسلمان ووٹروں سے یہ وعدہ کرکے منتخب ہوا تھا کہ الیکشن کے بعد وہ لیگ پارٹی میں شامل ہو جائے گا، وزارت کے لالچ سے توڑ لیا۔ نوری کانگریس پلیج پر دستخط کرکے کانگریسی وزارت میں شامل ہو گیا۔ اس پر مسلمانان صوبہ بمبئی نے اس کے خلاف سخت ترین مظاہرے کئے۔ نوری صاحب کے حلقہ انتخاب احمد آباد نے اُن کا سیاہ جھنڈوں اور لعنت و ملامت کی آوازوں سے استقبال کیا، حتیٰ کہ نوری صاحب کا کسی پبلک جلسہ میں نمودار ہونا اور اپنے حلقہ میں جانا مشکل ہو گیا۔ مولوی ابوالکلام صاحب بار بار بمبئی گئے اور مسلمان ممبران اسمبلی کو ملانے کے لئے جوڑ توڑ ساز باز، اور طمع اور لالچ کی تمام طاقتیں صرف کر دیں لیکن نوری کے سوا کسی دوسرے مسلمان ممبر اسمبلی نے مسلم لیگ پارٹی سے بغاوت کرنے اور ملت کے فیصلہ کے خلاف کانگریسی وزارت میں شامل ہونے اور قلمدان وزارت قبول کرنے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ کانگریس کو اپنے بیان کے خلاف مجبوراً ایک ہی مسلمان وزیر پر اکتفا کرنا پڑا کیونکہ کانگریس کو ایک سے زیادہ باغی مسلمان بڑی سی بڑی رشوت اور بڑی سی بڑی قیمت پر بھی نہیں مل سکا۔ کانگریس اسلامیان بمبئی کے جماعتی ایمان کو نہیں خرید سکی۔ کانگرس اسلامیان بمبئی کے جماعتی ایمان کی دیوار مرصوص کو نہیں توڑ سکی۔ کانگریس کو لیگ کے تولادی ڈسپلین نے شکست دیدی۔

مسلمانان احمد آباد کا ایک وفد سر راجر لوملے، گورنر بمبئی کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ بیان کیا کہ نوری ہرگز مسلمانوں کا نمایندہ نہیں ہے اور جب تک مسلم جماعت (مسلم پارٹی

اور مسلم ملت کے نامزدہ اور نمائندہ حضرات کو وزارت میں نہ لیا جائیگا۔ مسلمان یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ موجودہ پرونشیل آٹونومی اور ذمہ دار پارلمنٹری حکومت میں انکا کوئی "جماعتی" حصہ نہیں ہے۔

سرراگنر لوملے نے صاف جواب دیا کہ قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء اور گورنر کے وثیقۂ ہدایات میں یہ کہیں درج نہیں ہے کہ کسی اقلیت یا جماعت یا ملت کے نمایندوں کو لازمی طور پر وزارت میں لیا جائے بلکہ صرف اتنا لکھا ہوا ہے کہ گورنر حتی المقدور اہم اقلیات کے افراد کو وزارت میں لینے کی کوشش کریگا اور نوری جیسے زید، بکر، عمر مسلمان نام رکھنے والوں کو وزارت میں لے لینے سے یہ قانونی فرض پورا ہو جاتا ہے مسلمان کو بحیثیت ملت اپنی ملی نیابت اور جماعتی نمایندگی طلب کرنے کا قانونی حق حاصل نہیں ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو کا اعلان ہندوستان میں صرف دو پارٹیاں ہیں

تیسری طرف پنڈت جواہر لال نہرو نے محمد علی پارک کلکتہ سے اعلان کیا کہ ہندوستان میں صرف دو پارٹیاں ہیں ایک غیر ملکی پارٹی انگریزوں کی۔ اور دوسری ملکی پارٹی کانگریس کی۔ اور تمام اہل ملک کا فرض ہے کہ وہ دونوں پارٹیوں میں سے کسی ایک میں صف بستہ ہو جائیں کیونکہ کانگریس سارے ملک کی واحد نمایندہ اور اجارہ دار ہے اور کانگریس کے سوا اور کسی پارٹی یا جماعت کا ملک میں وجود ہی نہیں ہے۔

قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے تھوڑے ہی عرصے بعد اسی محمد علی پارک کلکتہ میں اس اعلان آمریت کا جواب دیا اور اعلان کیا کہ نہیں ملک میں ایک تیسری پارٹی بھی موجود ہے جو ملت اسلامیۂ ہند کی پارٹی ہے جو اپنا مستقل وجود رکھتی ہے اور کسی دوسری جماعت میں ضم ہو کر فنا نہیں ہوگی بلکہ دنیا کی ہر طاقت کے مقابلے میں اپنے استقلال ملی کو قائم رکھیگی۔

مسلم ماس کنٹاکٹ یعنی مسلمانوں کی جماعتی ہستی کے تحلیل کرنیکی کانگرسی مہم

چوتھی طرف کانگریس کے اس دعویٰ "اناولاغیری" کو مستحکم کرنے اور ملت

اسلامیۂ ہند کے جداگانہ ملّی وجود کی تحلیل و تجزیہ کرنے کی غرض سے بڑے طمطراق کے ساتھ مسلم ماس کنٹیکٹ (مسلم رابطۂ عوام) کی تحریک آنند بھون پریاگ سے، پنڈت نہرو کے حکم سے جناب ابوالکلام آزاد صاحب نے شروع کیا۔ اپنے اعلان میں یہ ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کو بلا شرط کانگرس میں شریک ہو جانا چاہیئے۔ اور بین الملّی معاہدہ، یا لیگ کانگرس پیکٹ کا خیال ہی سرے سے غلط ہے کیونکہ پیکٹ دو پارٹیوں میں ہوتا ہے۔ اور جبکہ کانگرس کے سوا، اور کوئی پارٹی ہی ملک میں نہیں ہے۔ اور مسلمان بحیثیت جماعت کوئی فریق ہی نہیں تو ان کی جماعت کسی شمار و قطار میں کیسے ہو سکتی ہے۔ اور لیگ اور کانگرس میں معاہدہ کا خیال کس طرح قیاس میں آسکتا ہے۔؟

برادرانِ ملت!

اس ماس کنٹیکٹ کے معنی دوپہر کے چمکتے ہوئے سورج کی طرح روشنی تھے، ماس کنٹیکٹ۔ مسلمانوں کی مستقل ملّت اور جداگانہ جماعت اور جداگانہ ملّی قیادت کے وجود کے انکار پر مبنی تھا۔ اس کا مقصود، مسلمانوں کو فرداً فرداً کانگرسی قومیت میں جذب کر لینا اور مسلمانوں کی جماعتی ہستی کو فنا کر کے کانگرس کو ملک کی واحد قومی فسطائی پارٹی کی حیثیت سے سب پر مسلط کرنا تھا۔ ماس کنٹیکٹ، مسلم تنظیم، مسلم جماعت اور مسلم لیڈرشپ کو نظر انداز کر کے براہ راست مسلم عوام کو سیاسی و روحانی ارتداد میں مبتلا کرنے کی کوشش تھی۔

آپ کو معلوم ہے۔ کہ مسلم ماس کنٹیکٹ کتنے زور شور سے شروع ہوا تھا۔ اور مسلم لیگ کی تنظیم عام کے سیلِ رواں میں ان کانگرسی تنکوں کا کیا حشر ہوا۔ حتیٰ کہ ایک ہی دو سال کے اندر اندر وارد ھا کے سامری کو "مسٹر جناح" کے درشن کے لیے مالابار ہل بمبئی جانا پڑا اور "رابطۂ عوام" کے امام ابوالکلام صاحب

کو تسلیم کرنا پڑا کہ ماس کنٹیکٹ بالکل ناکام ہوا۔ اور اس کا نتیجہ بالکل الٹا نکلا، بالآخر پنڈت نہرو اور مسٹر گاندھی کو مسٹر جناح کی قیام گاہ نئی دہلی کا بار بار طواف کرنا پڑا۔ اور مسلمانانِ ہند کی جماعتی ہستی کا انکار عملی قرار سے بدل گیا۔

غداروں کا قلع قمع اور استقلالِ ملت کا اعلان

اگر مسلم لیگ، ملت اسلامیہ ہند، کی جماعتی انفرادیت اور جماعتی خود داری کی علمبردار ہوکر میدان عمل میں نہیں کودتی اور مسلمان پامردی سے اپنی زندگی کا ثبوت نہیں دیتے۔ تو صوبائی سوراج کے انقلابی حالات کے ماتحت ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود بحیثیت ایک مستقل سیاسی عنصر و ملی جماعت کے ہمیشہ کے لئے ختم ہوچکا تھا۔ کانگرس کے مولوی کے بارے میں لسان العصر۔ لسان الملت اکبر الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنا قول فیصل چھوڑ گئے ہیں کہ۔

کانگرس کے مولوی کو کیا پوچھتے ہو کیا ہے
گاندھی کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ہے

یہ کانگرسی مولوی اپنے امام مولوی ابوالکلام آزاد صاحب کی امامت میں، آستھون الٰہ آباد میں جمع ہوکر مسلمانوں کی مستقل جماعتی ہستی کا فاتحہ پہلے ہی پڑھ چکے تھے، اور انگریز نے بھی اس فاتحہ پر "آمین بالجہر" کی صدا بلند کردی تھی۔ مسلمانوں کی ملی ہستی کے NO MAN'S LAND "نومین زلینڈ" میں ماس کنٹیکٹ کے خارجی چور اور ڈاکو اور خانگی غدار، خائن اور جاسوس گھس چکے تھے۔ مسلمانوں کی ملت کے قلعہ میں گھر ہی کے بھیدیوں نے رخنہ ڈالدیا تھا۔ سرنگ لگ چکے تھے، حملہ ہر چہار طرف سے ہو رہا تھا۔ لیکن عین وقت پر ایک، مرد خود آگاہ نے خطرہ کی گھنٹی بجادی۔ سوئی ہوئی ملت جاگ گئی، چوروں اور جاسوسوں کو

کیمپ سے نکال دیا گیا۔ اور غداروں کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ملت اسلامیہ ہند نے اعلان کیا، کہ وہ ایک مستقل قوم ہے۔ اور جس نظام سلطنت میں مسلمانوں کی مستقل قومیت کو تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔ اس کو درہم برہم کر دینا چاہیئے اور ایک ایسا نیا آسمان اور نئی زمین تعمیر کرنا چاہیئے جس میں قومیت اسلامیہ کے کامل استقلال کو پوری طرح تسلیم کیا گیا ہو۔ مسلم لیگ کے ماتحت اسلامیان ہند نے اپنے اس عزم راسخ کا اعلان کیا کہ وہ اس نصب العین کے لئے ہر قربانی اور جدوجہد کے لئے تیار ہیں۔

"فیڈریشن" یعنی اینگلو ہندو مرکزی آمریت کے خطرہ سے ملت کو بچانا

حضرات!

مسلم لیگ کا دوسرا بڑا کارنامہ ملت اسلامیہ ہند اور پورے ملک کو فیڈریشن کی دوہری غلامی کے عفریت کے منہ سے نکالنا اور دائمی ہلاکت کے خطرہ سے بچانا ہے۔ "جنٹلمین اگریمنٹ" کے ماتحت یہ طے پایا گیا تھا کہ کانگریس فیڈریشن کو قبول کرے گی، بشرطیکہ اس کو مرکزی فیڈرل اسمبلی میں اکثریت حاصل کرنے کی امید دلادی جائے۔ اس مقصد کے لئے ایک خاص پلان کے مطابق بظاہر شملہ کے اشاروں پر ریاستوں میں کانگرسی تحریک زور شور سے ذمہ دار حکومت کے مطالبے کے ساتھ شروع کر دی گئی تھی۔ اور اس کا مقصود اصلی یہ تھا کہ ریاستوں کی طرف سے مرکزی فیڈرل اسمبلی کے لئے جو ⅓ ایک تہائی نیابت مخصوص کر دی گئی ہے۔ تو یہ ایک تہائی نمایندگان ریاست بھی، والیان ریاست کی نامزدگی سے نہیں آئیں بلکہ بذریعہ

انتخاب آئیں تاکہ کانگریس کو مرکزی اسمبلی میں کانگرس پارٹی کی اکثریت قائم کرنے اور صوبوں کی طرح مرکز میں بھی کانگرس پارلیمنٹری سب کمیٹی کے ماتحت کانگرسی وزارت قائم کرنے کا موقع حاصل ہو جائے۔ اور مرکزی حکومت ہند پر قبضہ جمانے کے بعد ہندو راج اور ہندو سامراج کا پرانا خواب پورا کیا جائے اسطرح کہ بنگال، پنجاب، سرحد و سندھ کی صوبائی خود مختاری بھی عملاً کالعدم کردی جائے۔ اور سارے ملک پر وارد ھا کی مہاتمائی آمریت اور گاندھیت کا راشٹر دھرم مسلط کر دیا جائے۔

آل انڈیا مسلم لیگ نے اس کے مقابلے میں۔ فیڈریشن کی اسکیم مندرجہ قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کی ہر طاقت کے ذریعہ مخالفت کرنے کے عزم کا اعلان کیا۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء یعنی نظام حکومت ہند و صوبجات ہند کو سرتاسر غلط قرار دیا اور مغربی پارلیمنٹری سنگل پارٹی گورنمنٹ سسٹم کو جس کے ماتحت عددی اکثریت کو ملک پر حکومت کرنے کا استبدادی حق حاصل ہو جاتا ہے۔ برِ اعظم ہند کے لیئے بالکل ناموزوں ظاہر کیا اور مغربی نیشنل ازم کے اصول پر سلطنت سازی کے بنیادی خیال کی پرزور تردید کی اور اعلان کیا کہ مسلمانوں کا بنیادی مطالبہ یہ ہے کہ انڈیا ایکٹ کو بالکل منسوخ قرار دیا جائے کیونکہ اس کے ماتحت "سنگل پارٹی گورنمنٹ سسٹم" ناقابل تبدیل فرقہ وارانہ ہندو راج قائم کرنے کا سسٹم ثابت ہوا ہے اور ملت اسلامیۂ ہند و دیگر اقلیات، جنکی مجموعی تعداد، نصف آبادیٔ ہند سے بھی زائد ہے، کبھی اس نام نہاد قومی جمہوریت کے ماتحت دائمی غلامی کی پوزیشن کو قبول نہیں کریں گی، بلکہ ایسی حکومت کو پوری طاقت سے ناممکن بنا دیں گی۔

مسلمانوں کی سخت ترین بےچینی اور وائسرائے کی حقیقت بینی

حضرات آپ کو علم ہے کہ ہز ایکسی لنسی لارڈ لنلتھگو بحیثیت صدر جائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی موجودہ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے اصلی مصنف اور فیڈریشن اسکیم کے باپ تھے اور ان کی قدرتی خواہش تھی کہ وہ مسٹر گاندھی سے سمجھوتہ کرکے کسی طرح فیڈریشن کی گاڑی کو اپنی وائسرائلٹی کے عہد میں چلتا کرکے انگلستان واپس جائیں۔ لیکن بالآخر لارڈ لنلتھگو کو بھی مسلمانوں کے جذبات کی شدت اور اپنے ملی مستقبل کے متعلق انکی سخت ترین بے چینی اور بے اطمینانی کا اندازہ ہو گیا۔ اور انہوں نے یہ معلوم کر لیا کہ مسلمانوں کے ساتھ کانگرسی وزارتوں نے جو سلوک کیا ہے۔ اور جس طرح اُن کو بحیثیت ملت وجماعت ختم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے حکومت میں حصہ داری سے محروم کر دیا ہے اور اُن کے حقوق کو پامال ان کی تہذیب کو مجروح اور ان کے جان و مال کو غیر محفوظ بنا دیا ہے۔ اس نے بحیثیت مجموعی مسلمانان ہند کی عظیم الشان فوجی قوم کو اپنے قومی مستقبل کی حفاظت کے لئے ایک انقلاب کے لئے تیار و آمادہ کر دیا ہے۔ مسلمانوں کا پیمانہ صبر لبریز ہو رہا ہے۔ اور اس کا خطرہ ہے کہ ان کے دلوں میں سلگنے والی آگ کہیں بھڑک کر ہندوستان کے امن و امان کو ایسے وقت میں خاکستر نہ کر دے جبکہ موجودہ جنگ کے موقع پر اس کا قائم رکھنا سب سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس جنگ میں برطانیہ کی واحد حلیف طاقت ترکی۔ مصر۔ عرب۔ اور مسلم ہندوستان کی فوجی طاقت عسکری صلاحیت ہے۔

فیڈریشن اسکیم کے خاتمہ کا اعلان

اِن حالات میں مسٹر گاندھی کی بنائی ہوئی "فیڈریشن" دالی کھچڑ دلیا ہوکر رہ گئی۔ حکومت برطانیہ نے آل انڈیا مسلم لیگ کو اسلامیان ہند کی مسلّمہ ملّی نمائندہ مجلس تسلیم کرلیا۔ اور ہندوستان کے متعلق ہر گفت و شنید کے موقع پر اس کے نمائندہ کی مساوی پوزیشن مان لیا۔ صوبائی سوراج کے بعد یہ دستور ہوگیا تھا کہ فیڈریشن اور نظام حکومت کے متعلق ساری گفتگو، نمائندۂ برطانیہ — والسرائے — اور نمائندۂ کانگریس — مسٹر گاندھی۔ کے درمیان ہوا کرتی تھی۔ اور کانگریس اپنے آپ کو سارے ملک کی تنہا نمائندہ و اجارہ دار تعیتن کرتی تھی۔ انگریز بھی بظاہر کانگریس کے اس دعویٰ کو مان چکی تھی۔ حتیٰ کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس خاص کلکتہ اپریل ۱۹۳۸ء میں آنریبل مولوی اے۔ کے فضل الحق صاحب نے برطانیہ کی اس کانگریس نواز پالیسی کے خلاف سخت صدائے احتجاج بلند کیا تھا۔ اور مسٹر جناح نے اسکے جواب میں فرمایا تھا کہ اگر مسلمان لیگ کے جھنڈا کے نیچے جمع ہو گئے تو والسرائے سے بھی بڑی طاقتیں، لیگ کی آواز کا احترام کرنے پر مجبور ہوں گی۔

چنانچہ مسلم لیگ کی تنظیم عام اور مسلمانوں کے عزم بالجزم کا آخر یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ وزیر ہند نہ صرف مسلم لیگ کی طاقت تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا بلکہ حکومت برطانیہ کو "فیڈریشن" اسکیم کو معطل کرنے اور آئندہ دستور ہند کو بعد از جنگ ہندوستانی جماعتوں اور ملتوں کی رائے سے ہی از سرِ نو ترتیب دینے کا اعلان کرنا پڑا۔ مسٹر جناح نے بیان کیا کہ فیڈریشن کے تعطل کے اعلان کا دن انکی زندگی کا خوشترین دن تھا۔

کانگرسی وزارتوں کا خاتمہ اور دھارج کیلئے سودا

کانگرسی وزارتیں اس دوران میں، جنگ میں ہندوستان کی شرکت اور کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے سوال پر، مستعفی ہو چکی تھیں۔ پہلے تو مسٹر گاندھی نے اعلان کیا کہ وہ سودا کرنے کے بالکل خلاف ہیں۔ حتیٰ کہ جب وہ پہلی دفعہ شملہ میں وائسرائے سے ملے تو زاروقطار روئے اور فرمایا کہ اگر لندن اور پیرس تباہ ہو گیا تو پھر ہندوستان کی آزادی کس کام کی۔ لیکن ابھی ان کے آنسو بھی نہیں سوکھے تھے کہ وہ بقول سر جوالا پرشاد سری وستوا، بنیا اسپرٹ میں سوداگری پر اتر آئے اور کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی (دستور ساز مجلس) اور آزادی کے متعلق ایسے مطالبات پیش کرنے لگے جو سوداگری کے سوا کچھ تھا ہی نہیں اور جس کے قبول کر لینے کا مقصد، دس کروڑ مسلمانانِ ہند کی قسمت کو سات کروڑ اچھوت اقوام" اور کروڑوں غیر آریا ڈراویڈین اقوام اور سارے ملک کی قسمت کو گاندھی مہا منڈلی وار دھا کے ہاتھوں میں سپرد کر دینا ہوتا۔

آل انڈیا مسلم لیگ نے اس کا مسکت جواب آل انڈیا یوم نجات منا کر دیا۔ اور دنیا پر یہ ظاہر کر دیا کہ ہندوستان کی مسلم قوم کسی طرح کانگرسی وزارتوں کو ان کی سابقہ صورت ـــــ یعنی "سنگل پارٹی گورنمنٹ" کے اساس پر واپس آنے نہیں دے گی۔ بلکہ کانگرسی وزارتوں کی واپسی کا پوری طاقت سے مقابلہ کرے گی اور کانگرس استبدادیت کو ناممکن بنا دیگی۔ مسلمانوں نے اپنے اس عقیدہ کا بھی اعلان کیا کہ آئندہ نظام حکومتِ ہند، صرف مسلمانوں کی مرضی اور پسند سے بن سکتی ہے۔ اور مسلمان کسی ایسے نظام کو کبھی نہیں مان سکتے ہیں جس کو خود انہوں نے اپنی قوم کی رضامندی سے تیار نہیں کیا ہو اور جو ان کی قومی

آزادی کی پوری پوری گارنٹی نہ کرتا ہو۔[1]

برطانیہ مسلم لیگ کے ساتھ مخلوط وزارتیں بنانے پر زور دیتی ہے

ہز ایکسی لنسی وائسرائے نے اس کے جواب میں دہلی میں مسٹر گاندھی سے اپنی دوسری ملاقات کے دوران میں یہ واضح کر دیا کہ حکومت برطانیہ صوبوں میں، مسلم لیگ پارٹی کے نمائندوں کے ساتھ ملکر بین الملی مخلوط وزارتوں کی ترتیب کو عمومی ہندوستانی تصفیہ کے لیے پہلی اور بنیادی ضرورت سمجھتی ہے۔ اور جب تک کہ ہندو مسلمان مسلم لیگ کو ایک فریق اور پارٹی تسلیم کر کے مخلوط وزارتیں نہیں بنانے کی۔ کوئی ترقی ممکن نہیں ہے۔ ہاں اگر مسلم لیگ کانگریس کی کولیشن منسٹریاں صوبوں میں بنجائیں تو ایسی صورت میں مرکزی کابینہ میں ہندوستان کی مختلف پارٹیوں کے نمائندوں کو شریک کیا جائے گا۔ اور وائسرائے کی ایگزیکیٹو کاؤنسل کی اس غرض سے توسیع کر دی جائے گی۔

اس کے بعد برطانوی پریس اور انگلو انڈین پریس نے مخلوط بین الملی وزارت، یعنی لیگ کانگریس کولیشن کے قیام کے لئے زبردست اور مسلسل پروپاگنڈا شروع کر دیا۔ اور گورنر جنرل نے بار بار اس پر زور دیا۔

گورنر مدراس ہز ایکسی لنسی سر آرتھر ہوپ نے اپنی ایک تقریر میں، لیگ کانگریس کولیشن گورنمنٹ کے قیام کو ہندوستان کے موجودہ حالات میں سب سے بڑی ضرورت ظاہر کیا۔

رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو اور سر چمن لال سیتلواڈ نے بھی اسی

ضرورت پر زور دیا ۔ کنور سر مہاراج سنگھ نے مخلوط وزارت کی تجویز کی پر زور تائید کی اسٹیٹسمین نے مخلوط وزارتوں کی اسکیم کی تائید میں مسلسل لیڈر لکھے اور زبردست پروپاگنڈا کیا۔

برطانیہ کی روش میں اس تبدیلی کا راز

آپ ذرہ وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو اور گورنر مدراس سر آرتھر ہوپ کے ۱۹۴۰ء کے ان بیانات کو سر راگر لوملے کے اس بیان سے ملائیے جو انہوں نے مسلم وفد کے سامنے ۱۹۳۷ء میں دیا تھا۔ کیا وجہ ہے کہ آج برطانیہ اسی مخلوط وزارت پر زور دے رہی ہے جسکی ضرورت کو ۱۹۳۷ء میں ماننے سے انکار کر دیا گیا تھا۔ اور سنگل پارٹی استبداد کے خلاف مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ اکتوبر ۱۹۳۷ء کے پر زور احتجاج کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا؟

حضرات!

اس سوال کا اس کے سوا اور کیا جواب ممکن ہے کہ مسلم لیگ کی تحریک نے مسلم قوم کو زندہ، بیدار اور متحد کر دیا۔ اور اس کی طاقت کو جیسا کہ مسٹر جناح نے لیگ کے اجلاس خاص کلکتہ ۱۹۳۸ء میں فرمایا تھا۔ وائسرائے سے بھی بڑی طاقتیں تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئیں۔

یہ آخری موقع تھا کہ مسٹر گاندھی اپنی ہٹ دھرمی اور حماقتوں سے باز آتے اور مسلم لیگ کے ساتھ پیکٹ کر کے ایک متحدہ محاذ انگریز کے سامنے پیش کرتے۔ لیگ کانگرس پیکٹ کے بعد، کوئی طاقت اس جنگ کے وقت ہندوستان کو کامل خود مختاری کا درجہ بصورت "ڈومینین اسٹیٹس" حاصل کرنے سے نہیں روک سکتی تھی اس صورت میں ملک کو آزادی مونہہ مانگے بلا کوئی جنگ و جدل کئے حاصل

ہو سکتی تھی۔ لیکن مسٹر گاندھی اور کانگرس نے آزادی کے اس یقینی حصول کو رد کر تا قبول کیا لیکن مسلمانوں کے ملی وجود اور جماعتی ہستی کو معاہدہ کے ذریعہ تسلیم کرنے پر رضامندی ظاہر نہیں کی ایسی حماقت کیوں کی گئی۔؟

گاندھی آمریت اور کانگرسی فسطائیت کی خاطر آزادی کے یقینی موقع کو ضائع کیا گیا

جواب یہ ہے کہ اس لئے اور صرف اس لئے کہ گاندھی آمریت اور کانگرس فسطائیت بہرحال قائم رہے۔ کیونکہ اس وقت جو جنگ آزادی کے نام پر کانگرس لڑ رہی ہے۔ وہ دراصل ملک کی آزادی کی جنگ نہیں ہے۔ بلکہ کانگرس پارٹی کو مرکز ہند اور سارے ملک پر سنگل پارٹی اور واحد اجارہ دار طاقت کی حیثیت سے قائم کرنے کے لئے لڑی جا رہی ہے۔ اسی بنا پر مخلوط وزارتوں کی تجویز کو رد کیا گیا معاہدہ لیگ و کانگرس اور لیگ کانگرس مخلوط وزارت کی صورت میں کانگرس کی واحد نمائندگی ہند کا دعویٰ باطل ہو جاتا اور گاندھی جی کی آمریت کا بھی جو پٹیل ابوالکلام اور راجندر کی وار دھا منڈلی کے ذریعہ قائم تھا۔ خاتمہ ہو جاتا اور کانگرس اور کانگرسی وزارتوں کے ذریعہ گاندھی ازم اور ہندو ازم کی اشاعت کی جو کوششیں ہو رہی تھیں ان کا بھی سلسلہ بالکل بند ہو جاتا۔

اتحاد ہند کے اس زریں موقع کو اور آزادی ملک کے اس نادر موقع کو اسلئے اور محض اسلئے ضائع کیا گیا کہ گاندھی کو گاندھیت، آزادی سے بھی زیادہ پیاری ہے اور کانگرس کو کانگرسیت اتحاد ملک سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ حقیقت میں یہ بدترین خودغرضی اور پبلک کے ساتھ انتہائی خیانت اور غداری ہے۔

رام گڑھ کانگریس کا مطالبہ دستور ساز اسمبلی

مسٹر گاندھی اور کانگریس اس عرصے میں انگریز کو ستیا گرہ کی دھمکیوں سے مرعوب کرنے کی کوشش میں لگے رہے۔ رام گڑھ کانگریس ۱۱ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء میں کانگریس نے انگریز کے سامنے کانسٹی ٹیوانٹ اسمبلی کا مطالبہ پیش کیا۔ اور اسکے عدم قبولی کی صورت میں ستیا گرہ کی دھمکی بھی دی۔ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے معنیٰ ایک ایسی مجلس ہے جو ملک کے منتخب نمائندوں سے مرکب ہو اور جس کا کام دستور ہند کا مسودہ تیار کرنا ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک دو ہزار ممبروں کی مجلس دستور ہند کو تیار نہیں کرسکتی۔ دستور کی تیاری ایک چھوٹی سی ٹولی کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور یہ ہزاروں کی مجلس محض ہاں میں ہاں ملانے والوں کی ہوگی۔ جیسا کہ گاندھی جی کی سیاسی تاریخ سے واضح ہے۔ اس مجلس میں مسلمان ممبروں کی چھوٹی سی اقلیت کی جو حالت ہوگی وہ ظاہر ہے۔ اگر یہ مسلمان جداگانہ انتخاب سے بھی منتخب ہو کر جائیں تب بھی اُن کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز کے مثل ہوگی۔

اس کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کی مثال بھی خود کانگریس کی تاریخ اور گاندھی جی کے "تجربات صداقت" کے اندر موجود ہے۔

کلکتہ کانونیشن سنہ ۱۹۲۸ء کا "تجربہ صداقت"

جب سنہ ۱۹۲۸ء میں مسٹر گاندھی نے آل انڈیا اتحاد کانفرنس کلکتہ اور مدراس کانگریس سنہ ۱۹۲۷ء کے منظور کردہ "ہندو مسلم پیکٹ" کو اپنی بنائی ہوئی ایک چھوٹی سی ٹولی، نہرو کمیٹی کی خانہ ساز اسکیم، یعنی نہرو رپورٹ کے ذریعہ ختم

کردیا۔ تو اسے ایک "نیشنل" دستاویز کی حیثیت دینے کی خاطر مسٹر گاندھی نے کلکتہ میں ۱۹۲۸ء کے ماہ دسمبر میں ڈاکٹر انصاری کی صدارت میں ایک آل انڈیا نیشنل کانفرنس کا اجلاس طلب کیا تھا۔ اس نیشنل کانفرنس میں ملک کی تمام جماعتوں کے نمائندوں کو طلب کیا گیا تھا۔ اس میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی رحمۃ اللہ سابق صدر کانگریس اور قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح صدر مسلم لیگ جیسے ممتاز مسلم لیڈر شریک ہوئے تھے اور متفقہ طور پر نہرو رپورٹ میں چند ترمیمات پیش کی تھیں لیکن مسٹر گاندھی اور ان کی قوم پرست ٹولی نے مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ اور مسٹر جناح جیسے لوگوں کی ترمیمات کو بھی رد کردیا تھا۔ اور نہرو رپورٹ کو مسلم لیگ، جمعیۃ العلما، مجلس خلافت اور ساری مسلم قوم کی متفقہ مخالفت کے باوجود من وعن اس کانفرنس میں منظور کرایا تھا۔ اور اس رپورٹ کو وائسرائے ہند کے سامنے ہندوستان کے مشترکہ ومتفقہ قومی مطالبہ کی صورت میں پیش کیا تھا۔ مسٹر گاندھی کے یہ تجربات صداقت "مسلمان" بھولے نہیں ہیں اور کبھی نہیں بھولیں گے۔

کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی پر کیوں اتنا زور دیا جارہا ہے؟

حضرات!

میں عرض کروں گا کہ مسٹر گاندھی کے دماغ میں کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کا خیال، محض نام نہاد کلکتہ نیشنل کانفرنس (سنہ ۱۹۲۸ء) کی تاریخ کو دہرانے اور اپنی بات کو ساری ہندوستانی آبادی کی طرف سے "نیشنل مطالبہ" کی صورت میں پیش کرنے کی غرض سے آیا ہے۔ ورنہ مسٹر گاندھی کو عقیدتاً جمہوریت پر قطعاً کوئی اعتماد نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے:-

المومن لا یلدغ من حجر مرتین، یعنی مومن ایک بل سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا ہے۔ مسلمان مسٹر گاندھی کانگریس اور اس کے نیشنل کانونشن سے ڈسے جا چکے ہیں وہ ان کی حقیقت کو خوب پہچان چکے ہیں اور وہ مسٹر گاندھی کے ساتھ دوبارہ "تجربات صداقت" کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی اس ملک میں ممکن ہے جہاں ایک قومیت آباد ہو، لیکن ہندوستان ایک مختلف الاقوام برّاعظم ہے جہاں قومیت اسلامیہ ہند، ملک کی سب سے متحد الخیال اور متحد العزم قومیت ہے۔ لہذا ہندوستان کا بین الاقوامی مسئلہ، قوموں کے درمیان براہ راست گفت وشنید، اور معاہدہ بین الاقوام کے ذریعہ حل ہو سکتا ہے نہ کہ عوام کالانعام کے ووٹ سے۔ یہ ووٹ کا بہانہ دراصل محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے ہے کیونکہ مسٹر گاندھی کو یقین ہے کہ ووٹ کی صورت میں ہندو اکثریت کی حیثیت اور فوقیت مسلّم ہے اور ہندو ووٹر گاندھی جی کے جادو سحر سے مسحور ہو کر بے اختیار آنکھ موند کر گاندھی جی کو ہی ووٹ دیں گے۔

رام گڑھ کانگریس کا مفروضہ "قومیت متحدہ" اور دعویٰ "خود اختیاریت"

وسط مارچ ۱۹۴۰ء رام گڑھ میں مولوی ابوالکلام آزاد صاحب کی صدارت میں کانگریس کا اجلاس ہوا جس میں کانسٹی ٹیوانٹ اسمبلی کا بنیادی مطالبہ پیش کیا گیا۔ یہ مطالبہ اس سیاسی اصول پر مبنی تھا کہ ہندوستان ایک نیشن (قوم) ہے اور اس حیثیت سے اس کو پیدائشی حق "نیشنل سلف ڈیٹرمی نیشن (قومی خود اختیاریت) کا حاصل ہے اور نیشنل سلف ڈی ٹرمی نیشن کے معنی یہ ہیں کہ ہر قوم کو اپنی سلطنت اور اپنی حکومت اپنی مرضی اور پسند کے مطابق

آزادانہ تغیر کرنے کا حق ہے اور چونکہ ہندوستان ایک قوم ہے لہذا اس کو بھی اپنا نظام سلطنت اور نظام حکومت تغیر کرنے کا نیچرل حق حاصل ہونا چاہئے بنا بریں ہندوستانی قوم کو اپنا دستور حکومت خود ترتیب دینے کا آزادانہ موقع دینا چاہیئے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک کانسٹی ٹیوانٹ اسمبلی (دستور ساز مجلس قومی) بالغوں کی حق رائے دہی کے اساس پر انتخاب عام کے ذریعہ قائم ہونا چاہئے اور اس کا طے کردہ دستور کو ملک کی آزاد قومی خود اختیاریت تصور کرنا چاہیئے۔

حضرات۔

یہ سارا مطالبہ اس بنیادی واساسی مفروضہ پر مبنی تھا کہ ہندوستان ایک "نیشن" یعنی قومیت متحدہ ہے۔ اور بنا بریں اس کو نیشنل سیلف ڈیٹرمی نیشن ضرور حاصل ہونا چاہیئے۔

لیکن آپ کو اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے کہ نہ ہندوستان کبھی ایک "نیشن" تھا نہ اس وقت ہے اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے۔ اور یہ سارا مفروضہ ہندو اونچ جاتیوں کی شاستری اجارہ داری کو اس بیسویں صدی میں بھی بحال وبرقرار رکھنے کی غرض سے ایجاد کیا گیا ہے۔

۱۲ لاہور لیگ کا متوازی ومقابل دعویٰ ۱۲
رام گڑھ کی مکمل ترین تردید

لیکن اس مفروضۂ قومیت متحدہ اور اس دعویٰ قومی خود اختیاریت کو ایک ہی ہفتہ بعد اسی مہینہ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے اجلاس لاہور کی تاریخی قرارداد کے ذریعہ بالکل باطل

کر دیا۔ اس قرارداد کے ذریعہ مسلم لیگ نے اعلان کیا کہ

(i) نو کروڑ مسلمانانِ ہند، ہر اعتبار سے ایک مستقل نیشن ہیں۔

(ii) اور بحیثیت ایک مستقل نیشن کے مسلمانانِ ہند کو ہندوستان میں شمِل سیلف ڈی ٹرمی نیشن کا حق قدرتی طور پر حاصل ہے۔

(iii) مسلمانانِ ہند یقین کرتے ہیں کہ ہندوستان کو ایک مغربی طرز کی قومیت متحدہ فرض کر کے، اس براعظم کو ایک نیشن اسٹیٹ بنانے کی تمام کوشش بنیادی طور پر غلط، نامنصفانہ اور بالکل ناکام ہو چکی ہے لہٰذا آئندہ دستورِ ہند کو از سرِ نو نئے اصول کے مطابق تعمیر ہونی چاہئے

(iv) ہندوستان کے نئے دستورِ اساسی کی نئے سرے سے تعمیر میں قومیت اسلامیہ ہند کو اپنے سیاسی مستقبل کے متعلق فیصلہ کرنے اور اپنے لئے اپنا مخصوص نظامِ سلطنت پسند کرنے کا کامل حق ملنا چاہئے۔

(v) مسلمانانِ ہند یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ وہ براعظم ہند میں اپنے لئے اپنا آزاد و مستقل وطن حاصل کریں اور اس کے حدود کے اندر اپنی مرضی سے اسلامی سلطنت قائم کریں۔ یہ آزاد مسلم "ہوم لینڈ" (وطنی سرزمین) شمال مغربی ہند، شمالی مشرقی ہند ہونا چاہئے۔

(vi) بنابریں، یہ لازم اور ضروری ہے کہ آئندہ براعظم ہند کو سیاسی لحاظ سے اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ شمالی مغربی ہند و شمالی مشرقی ہند کا ایک جداگانہ اور بالکل آزاد و مستقل فیڈریشن قائم ہو جائے۔ جس کا باقی ہندوستان سے تعلق زیادہ سے زیادہ دوستانہ اور حلیفانہ ہو

(vii) باقی حصص ہند میں مسلم حقوق و مفاد کی حفاظت کے لئے کھلی اور واجب التعمیل تحفظات و تدابیر کا بندوبست کیا جائے۔

(viii) ان اصول اساسی کے مطابق، تفصیلی دستور اساسی طے کرنے کا اختیار ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ کو تفویض کیا گیا۔

لاہور نے کس طرح رام گڑھ کو الٹ دیا؟

حضرات!

لاہور کی اس تاریخی قرارداد نے رام گڑھ کانگریس کو پوری طرح اوندھے مونہہ گرا دیا۔ لاہور نے رام گڑھ کو پوری طرح الٹ دیا۔ رام گڑھ کے دعویٰ قومیت متحدہ کا جواب لاہور نے اس طرح دیا کہ مسلمان خود ایک مستقل نیشن ہیں اور کسی دوسری نیشن کا ضمیمہ بننے کے لئے تیار نہیں ہیں ملت اسلامیہ ہند خود ایک تقدیر ہے اور کسی دوسری قومی تقدیر کو اپنے لئے برداشت نہیں کر سکتی ہے۔

رام گڑھ کے اس دعویٰ کا کہ ہندوستان ایک نیشن ہے اور اس کو نیشنل سیلف ڈی ٹرمی نیشن کا حق ملنا چاہیئے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کے دستور اساسی کو تیار کرنے کے لئے ایک دستور ساز اسمبلی قائم ہونا چاہیئے۔ لاہور نے اس طرح جواب دیا کہ ملت اسلامیہ ہند ایک مستقل نیشن ہے اور اس کو پیدائشی طور پر نیشنل سلف ڈی ٹرمی نیشن کا پیدائشی حق حاصل ہے اور آئندہ وہ اپنا نظام سلطنت اپنی آزادانہ مرضی اور پسند سے طے کرے گی۔

آزاد مسلم کانفرنس کا پلاٹ کہاں بنا؟

قرارداد لاہور نے کانگرسی دنیا کو تہہ و بالا کر دیا اس کے بعد پنڈت اور

پٹیل، مولوی اور مولنا، میدان میں قرارداد لاہور کی مخالفت میں نکل آئے آپ کے ہاں کے ڈاکٹر محمود صاحب بھاگے بھاگے، کلکتہ میں مولوی آزاد صاحب صدر کانگریس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں نے مل کر آزاد مسلم کانفرنس دہلی کے ڈرامے کا پلاٹ تیار کیا اور اس کے ایکٹروں اور کیریکٹروں کو منتخب کیا۔ دہلی کے اسٹیج پر یہ ڈراما دکھایا گیا۔ لیکن برلا ہاؤس اور کانگریس ہاؤس کی پوری تائید کے باوجود یہ تماشا بالکل فیل ہوا۔ ایکٹر بھی بددل ہوئے۔ تماشائی بھی ناخوش رہے۔ اور اسٹیج مینجر بھی اپنی دولت اور محنت کی بربادی پر افسوس کر رہے ہیں۔

آزاد کانفرنس کے ایک ابوالکلامی خان بہادر کا کارنامہ

یاد بخیر، ابوالکلامی آزاد کانفرنس دہلی کے ایک ابوالکلامی ایکٹر ہمارے کلکتہ کے خان بہادر محمد جان صاحب تھے جن کا تلوّن کیش دل کچھ عرصے ابوالکلامی سحر سامری کا مسحور ہو رہا ہے۔ خان بہادر صاحب آزاد مسلم کانفرنس دہلی کے چیرمین مجلس استقبالیہ تھے۔ آپ نے اس کانفرنس کا افتتاح ایک خطبۂ استقبالیہ سے فرمایا تھا۔ مجھے محبی سید عثمان صاحب ایم اے بی۔ ایل ہیڈ ماسٹر پریسیڈنسی مسلم ہائی اسکول کلکتہ سابق ہیڈ ماسٹر کلکتہ مسلم ہائی اسکول کے ساتھ اس حقیقت کا ذاتی علم ہے کہ خان بہادر صاحب کا مبلغ علم کیا ہے اور وہ کس طرح دوسروں سے بیانات وخطبات لکھا کر اپنے نام سے شائع کیا کرتے ہیں۔ یہ حضرت بنگال کونسل میں مسلم لیگ پارٹی کی تائید سے مسلم لیگ ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے۔ لیکن تھوڑے عرصہ بعد اپنے عہد وپیمان سے پھر گئے اور عملاً ابوالکلامی ٹولی اور کانگریس

کی حمایت کرتے تھے گو گذشتہ کلکتہ کارپوریشن الیکشن کے بعد آپ کے سر پر
الڈرمین بننے کا سودا سمایا تو آپ مسٹر سوباش چندر بوس کی کانگرس
فارورڈ بلاک میں جا شامل ہوئے اور اپنی الڈرمینی کے لئے کوشش
شروع کر دی۔ آپ کی الڈرمینی کے معاملات پختہ پُر ہو چکے تھے کہ
عین وقت پر مسلم لیگ اور بوس فارورڈ بلاک میں پیکیٹ ہو گیا۔ خان بہادر
اپنی الڈرمینی کے لئے کانگرس کے دروازہ سے مایوس ہو کر بالآخر ہندو
مہاسبھا پارٹی کے چرنوں میں پہونچے۔ الڈرمینوں کا الکشن ۱۷ اپریل
سنہ ۴۰ء کو ہوا۔ اور دنیا یہ دیکھ کر حیران ہو گئی کہ خان بہادر محمد جان
کو ایک مسلمان نے بھی ووٹ نہیں دیا۔ لیکن اُن کو تمام ہندو سبھا پارٹی
والوں نے ووٹ دیا۔ اس پر بھی وہ خائب و خاسر ہوئے۔ لیکن آپ کی
ہمت کی داد دینی چاہئے کہ آپ ہندو مہاسبھا کی تائید کے باوجود کارپوریشن
میں شکست کھا کر سیدھے، دہلی پہونچے، اور وہاں آزاد کانفرنس کا
خطبۂ استقبالیہ پڑھ کر سنایا جس میں اپنے قرارداد لاہور کے خلاف اپنی
ادھاری ہوئی منطق کا جوہر دکھایا۔ دہلی سے کلکتہ آکر آپ نے چھٹی کر دی
لی اور کانگرس، مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا، سب کی پالیسی کے خلاف
وار کمیٹی کی ممبری قبول فرما کر اپنے طرۂ اعزاز کو بلند کیا۔

آپ اندازہ فرمائیے کہ جو شخص ایک ہی مہینہ میں کانگرس، فارورڈ
بلاک، ہندو سبھا، آزاد کانفرنس اور پھر وار کمیٹی میں شریک ہو سکتا ہے
اس کے دماغ کی کیا حالت ہوگی اور وہ کہاں تک قوم کی رہنمائی کر سکتا ہے

لاہور نے مسٹر گاندھی کے دماغ کو مختل کر دیا اور نقشہ الٹ دیا!

لیکن قرارداد لاہور کے بعد خود مسٹر گاندھی کی حالت دیگر گوں ہو گئی ہے

وہ اپنی بوکھلاہٹ، پریشانی اور حیرانی کو بالکل چھپا نہیں سکے۔ اُنھوں نے متواتر بیانات نکالے جوایک سے ایک پریشانیٔ دماغ، تضاد فکر اور اضطراب قلبی کے آئینہ دار ہیں۔ آپ نے بالآخر تنگ آکر یہ بھی لکھ دیا کہ :۔

"اگر آٹھ کروڑ مسلمان پارٹیشن (تقسیم ہند) چاہتے ہیں تو پھر دنیا میں کوئی طاقت نہیں ہے، جو اس کو روک سکتی ہے ...... اگر ہندو یا عیسائی یا سکھ یا پارسی، آٹھ کروڑ مسلمانوں کے واجبی طور پر منتخب شدہ نمائندوں کی علانیہ خواہش کی سختی سے مخالفت کریں گے۔ تو وہ ایک سیول وار (خانہ جنگی) کے خطرہ کو دعوت دیں گے"

(ہریجن مورخہ ۲۵۔مئی ۱۹۴۰ء)

ایک دوسرے بیان میں مسٹر گاندھی نے اقرار کیا کہ قرارداد لاہور کے بعد کانسٹی ٹیوشنٹ اسمبلی کے لئے ستیاگرہ کرنا اب آسان نہیں رہا جتنا پہلے تھا۔

اس کا مطلب کیا ہے ؟ اصل یہ ہے کہ رام گڑھ کانگریس کے مطالبۂ دستور ساز اسمبلی و مطالبۂ حق خود اختیارات کا رخ انگریز کی طرف تھا۔ لیکن لاہور لیگ کے بعد اس مطالبہ کا رخ، مسلم قوم کی طرف ہو گیا۔ اب رام گڑھ کانگریس کے مطالبات کا اصلی تصادم اور اصلی مقابلہ انگریز سے نہیں رہا، بلکہ مسلم قوم اور مسلم لیگ سے ہو گیا جس کے دعاوی کانگریس کے دعاوی سے بظاہر بالکل متضاد ہیں۔

رام گڑھ کانگریس تک بظاہر ملک میں صرف ایک نیشن اور ایک نیشنل سیلف ڈی ٹرمی نیشن کا دعویٰ تھا۔ لیکن لاہور لیگ کے بعد دو متضاد

متصادم قومیتوں کے وجودوں کا مقابلہ ظاہر ہوگیا۔

اب کانگرس کی "خود اختیاریت" کے دعویٰ کی منظوری مسلمانوں کی قومی موت ہوگی اور مسلم لیگ کے دعویٰ "خود اختیاریت" کی منظوری سے کانگرس کے دعویٰ کلیت و قومیت متحدہ باطل ہو جائے گا۔ لہذا اگر کانگرس نے اپنے دعویٰ کو منوانے کے لئے کوئی جنگ یا ستیہ گرہ جاری کی تو دراصل مسلم قوم کے دعویٰ استقلال قومیت اسلامیہ کے خلاف اعلان جنگ ہوگا۔ اور کانگرس کے اس جنگ میں کامیاب ہو جانے کے معنی مسلم قوم کے دعویٰ کی شکست ہوں گے۔ اندریں حالات مسلم قوم کسی آئندہ ستیاگرہ کی جنگ میں غیر جانبدار ہو کر بیٹھ نہیں سکتی ہے۔ ایسا کرنا قومی خودکشی کے جرم کا ارتکاب ہوگا۔

ستیاگرہ کمیٹیاں کیوں توڑدی گئیں اور ستیاگرہ کیوں نہ کیا گیا

"آل انڈیا یوم آزادیٔ ملت" کے ہزاروں لاکھوں جلسوں اور مظاہروں کے ذریعہ مسلمانان ہند نے اپنے اس عزم بالجزم کا اعلان کر دیا ہے کہ وہ کانگرس کے دعویٰ کلیت و قومیت متحدہ کو کامیاب ہونے نہیں دیں گے بلکہ اس کا پوری طاقت سے مقابلہ کریں گے۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ وہ خانہ جنگی ہوگا جس کی مسٹر گاندھی نے پیش گوئی کی ہے۔

حضرات!

یہی اصلی وجہ تھی جس کے باعث مسٹر گاندھی نے ستیاگرہ کمیٹیوں، ستیاگرہی فوجوں، اور ستیاگرہ کیمپوں کی عظیم الشان تیاریوں کے باوجود دستور ساز اسمبلی کے سوال پر سیوں تا دنانی پالیسی اور قسم کے ڈائریکٹ

الیکشن کا آغاز اب تک نہیں کیا ہے۔ کانسٹی ٹیوننٹ اسمبلی کے دعوی کو باطل کر دینے میں کامیابی حاصل کرنا مسلم لیگ کا تیسرا بڑا کارنامہ ہے، اور ستیاگرہ کیمپوں، ستیاگرہ کمیٹیوں اور ستیاگرہ فوجوں کی تمام تیاریوں کو خاک میں ملا دینا اور کانگریس کی مرضی کو جبراً سارے ملک پر تھوپنے کے منصوبے کو ناکام و نامراد کر دینا، لیگ کا چوتھا، بڑا سیاسی کارنامہ ہے

خود کانگریس نے اپنی نازک پوزیشن کو محسوس کر لیا ہے۔ فی الحال وہ اپنے محبوب مطالبۂ دستور ساز اسمبلی کے متعلق خاموش ہو گئی ہے۔ اور اب انھوں نے انگریز سے (۱) ہندوستان کی کامل آزادی کے حق کے اعلان اور (۲) مرکز میں مرکزی اسمبلی کے موجودہ منتخب شدہ ممبروں کی ایک معتمد علیہ ذمہ دار نیشنل گورنمنٹ یعنی مرکز میں کانگرسی ذمہ دار منسٹری کا مطالبہ کیا ہے۔

ان دونوں مطالبات کے مان لینے کے معنی عملاً اینگلو ہندو فیڈریشن کا قیام اور کانگریس فسطائی آمریت کا مرکز میں استحکام ہوگا۔
بالفاظ دیگر کانگرس کا مطلب یہ تھا کہ کانسٹی ٹیوننٹ اسمبلی کو جس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بلانے کی تجویز شروع میں پیش کی گئی تھی، اس مقصد ہندو راج کو ابھی سے بلا دستور ساز اسمبلی پورا کر دیا جائے۔
بجا طور پر قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح نے اس عیارانہ کانگرسی مطالبہ کی سخت مخالفت کی ہے اور اس کو مرکز میں ہندو راج کے قیام کی چال بیان کیا

عارضی جنگی وزارتوں میں مساوات کا اساس

واضح ہو کہ مسلمانان ہند اب کسی کانگرسی وزارت کو مرکز یا صوبہ میں

سیشل پارٹی گورنمنٹ کی صورت میں واپس آئے ہیں دیں گے۔ اگر موجودہ جنگ کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے عارضی طور پر ذمہ دار حکومت کا قیام طے بھی پایا، تو اس کی ترکیب بالکل بین الاقوامی اساس پر ہونا چاہیئے۔ بین الاقوامی اساس سے مراد یہ ہے کہ ان عارضی جنگی وزارتوں کو دو قوموں کی مساوی نیابت کے اصول پر مبنی ہونا چاہیئے مسلم قوم اور ہندو قوم اس طرح زمانۂ جنگ تک جنگی وزارتوں میں تناسب مساوات شریک ہو سکتی ہیں۔

مسلم لیگ کی اہم ترین کامیابی وائسرائے کا اعلان مجریہ شملہ مورخہ ۵ / اگست ۱۹۴۰ء ہے
جسکی رو سے مسلم قوم کے "دعوٰی خود اختیاریت" ایک حد تک مان لیا گیا ہے اور اس کا عہد کیا گیا ہے
کہ برطانیہ اقلّیات کو انکی مرضی کیخلاف کسی خاص نظام حکومت کی تابعیت پر مجبور نہیں کریگی۔

مسلم لیگ کا ایک اہم ترین کارنامہ، بنگال کے عظیم الشان اور
سب سے بڑے مسلم صوبہ کے نوجوان مسلمانوں کے کلچرل ارتداد کے رد کو، جو
اپنی ہندویت کی طرف لے جا رہی تھی۔ روک کر اُن کو اسلامیت کی طرف
پھیر دینا ہے۔ کالج اور اسکول کے جو مسلمان طالب علم ٹوپی اور پائجامہ پہنتے
ہوئے شرم محسوس کرتے تھے، آج دھوتی باندھتے ہوئے ڈر محسوس کرتے ہیں
اردو زبان سے جو نفرت ان کو جو ہندو پریس نے دلائی تھی۔ نہ صرف وہ
دور ہو گئی ہے، بلکہ اردو سیکھنے اور اردو کی حفاظت کرنے کا شوق پیدا
ہو گیا ہے۔ مسلم بنگال، مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر اپنی سابقہ
طاقت اور خودداری اور آزادی کو دوبارہ حاصل کر رہا ہے۔ اور یہ ایک
ایسا انقلاب ہے جو ہر مسلمان کے لئے باعث خوشی و مسرت ہے ۱۷۵۷ء
میں جنگ پلاسی ہوئی تھی جس میں اُمی چند۔ اور میر جعفر کی غداریوں کے باعث
بنگال، بہار۔ واڑیسہ کا آخری آزاد تاجدار، نواب سراج الدولہ شہید ہوا۔ اور
اور ساتھ ہی ہندوستان کی غلامی کی بھی بنیاد پڑی۔ اس غلامی نے اسلامیانِ
بنگال کو زندگی کے، ہر گوشے اور شعبے میں بالکل برباد کر دیا۔ اب اللہ کا شکر
ہے۔ کہ مسلم لیگ پارٹی اور مسلم لیگی وزارت کی جدّ و جہد سے ایک نیا
انقلاب سیاسی شروع ہو چکا ہے۔ جس میں مسلمانان بنگال اپنا کھویا
ہوا مقام بلند حاصل کرتے جاتے ہیں۔

پاکستان اسکیم کے معنی و مطلب اور مسئلہ ہند کا حل

برادرانِ ملت!

اب میں آپ کے سامنے پاکستان اسکیم، یعنی تقسیم ہند کی تجویز کے معنی و مطلب اور مسئلہ ہند کے مناسب ترین حل کے متعلق اپنے معروضات پیش کروں گا۔
اس سوال کے جواب میں کہ مسئلہ ہند کا آخر کونسا حل ہے میں نے آپ کے سامنے چھ مختلف تجاویز پر نہایت مختصر اور سرسری تبصرہ کیا تھا۔ یعنی :-

(۱) نیشن اسٹیٹ سسٹم۔ یعنی قومی سلطنت متحدہ کا نظام۔
(۲) فیڈریشن سسٹم:۔ یعنی خود مختار ریاستوں کے وفاق کا نظام۔
(۳) کانٹون سسٹم:۔ یعنی جداگانہ ملتوں کی جداگانہ ملی ریاستوں کے وفاق کا نظام۔
(۴) پاریٹی سسٹم:۔ یعنی دو قوموں کے درمیان حکومت میں کامل "مساوات" کے اصول پر حصہ داری قائم کرنیکا نظام۔
(۵) سوویٹ یونین سسٹم:۔ یعنی آزاد سوویٹ جمہوریتوں کے وفاق کا نظام اور
(۶) پاکستان اسٹیٹ ملت سسٹم:۔ یعنی تقسیم ہند اور مختلف ملتوں کے ملی حقوق کے قیام کا مخصوص نظام۔

نیشن اسٹیٹ سسٹم اور جان اسٹورٹ مل کا قول فیصل

نیشن اسٹیٹ سسٹم یعنی قومیت متحدہ کے اساس پر ایک قومی سلطنت متحدہ تعمیر کرنے کی تجویز ہندوستان کے حالات میں کس طرح بالکل ناموزوں بلکہ ناممکن ہے، اور اخلاقی لحاظ سے کس قدر نادرست بلکہ مذموم کوشش ہے، میں

پہلے آپ کے سامنے تفصیل سے عرض کر چکا ہوں۔

اس وقت میں قومیت، جمہوریت، اور حریت کے فیلسوف اعظم جان اسٹورٹ میل کے ایک قول بلیغ پر اپنے تبصرہ کو ختم کروں گا۔ میل نے نیابتی جمہوریت پر اپنی شہرۂ آفاق کتاب سنہ ۱۸۶۱ء میں شائع کی تھی اسکے سولہویں باب میں قومیت اور قومی جمہوریت پر بحث کی ہے۔ میل اپنا بنیادی اصول ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

"بالعموم آزاد جمہوری ادارات کی یہ ایک لازمی شرط ہے کہ حکومتوں کے حدود اربعہ اور سرحدات کو اصلاً قومیتوں کے حدود اربعہ اور سرحدات پر منطبق ہونا چاہیے ....

"آزاد جمہوری ادارات (نیابتی جمہوریت، پارلیمنٹری ذمہ دار حکومت) ایک ایسے ملک میں بالکل ناممکن ہیں جو مختلف قومیتوں سے مرکب ہے۔ یعنی ایک ایسا ملک جو قومیت متحدہ نہیں ہے ایک ایسے گروہ میں جو باہمی ہمدردی اور ہم جنسیت کے احساس سے خالی ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ مختلف زبانیں بولتی اور پڑھتی ہیں۔ وہ متحدہ رائے عامہ، جو نیابتی جمہوری حکومت کے لئے لازمی و ضروری ہے۔ کبھی موجود ہی نہیں رہ سکتی ہے وہ موثرات، جو رایوں کی تشکیل کرتے اور سیاسی عملوں کا تصفیہ کرتے ہیں۔ ملک کے مختلف فرقوں اور حصوں میں مختلف ہیں۔ ایک بالکل ہی مختلف اور جداگانہ قسم کے لیڈر، ملک کے ایک حصے کا اعتماد رکھتے ہیں۔ اور ایک بالکل ہی مختلف اور جداگانہ قسم کے لیڈر دوسرے فرقہ ہائے ملک کا اعتماد رکھتے ہیں، ایک ہی

قسم کی کتابیں۔ رسالے، اخبارات، اور تقریریں، تمام حصوں اور
فرقوں، تک نہیں پہونچتی ہیں۔ ایک فرقہ نہیں جانتا کہ دوسرے
فرقہ میں کیا رائیں یا کیا میلانات کارفرما ہیں۔ ایک ہی نوعیت
کے واقعات، ایک ہی قسم کے افعال، اور ایک ہی طرز کی حکومت
ان مختلف فرقوں، اور قوموں پر، مختلف انداز میں اثر انداز ہوتی
ہے۔ اور ہر ایک قوم مشترکہ حکم، اسٹیٹ سے بھی زیادہ دوسری
قومیتوں نے نقصان کا خوف رکھتی ہے۔ ان مختلف قومیتوں
کی باہمی ناہمدردیاں اور عداوتیں حکومت کے حد سے بھی زیادہ
قوی تر ہوتی ہیں ۔"

نیا بھی جمہوریت کے فلسفہ کے ابوالآبا۔ جان اسٹورٹ میں کا مذکورہ
بالا حکیمانہ و مدبرانہ قول مختلف الاقوام، مختلف الملل، مختلف اللسان، ہندوستان
کے لئے قول فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس برّ اعظم کے حالات، حرف بحرف
صادق آتا ہے۔

"فیڈریشن سسٹم" موثرات وفاق کا فقدان!

مختلف ریاستوں کے فیڈریشن کے متعلق اتنا کہنا کافی ہوگا۔ کہ
یہ بھی ایک نیشن اسٹیٹ کی خاص صورت اور خاص قسم کا نام ہے۔ جس کے
قیام اور دوام کے لئے ایک متحدہ قومیت کے رابطۂ روحانی کی ضرورت لازمی
ہے۔ اور چونکہ ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت موجود نہیں ہے۔ بلکہ حالات
ان کے بالکل ناموافق ہیں۔ لہذا اس برّ اعظم میں ایک فیڈرل اسٹیٹ
کا قائم کرنا اور پھر اسکو کچھ عرصہ تک بحال و برقرار رکھنا دونوں محالات سے ہے۔

"ریاستوں" کے فیڈریشن کو وجود میں لانے کے لئے خاص قسم کے موزوں و موافق حالات کی یکجائی اور فراہمی ضروری ہے۔ ان خاص قسم کے موزوں حالات کو فیڈرل حالات یا "وفاقی موثرات" کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے۔ ان وفاقی موثرات میں، سب سے اہم:

(۱) ایک عمومی اتحاد و اتفاق کے جذبات، احساسات اور عناصر کی موجودگی۔

(۲) اختلافات کے جذبات، احساسات اور عناصر کی موجودگی۔

(۳) عناصر اتحاد کا عناصر اختلافات سے مضبوط تر، اور قوی تر ہونا یعنی قومیت متحدہ کی موجودگی۔ اور۔

(۴) آئندہ کے لئے مختلف جماعتوں اور مختلف علاقوں میں سیاسی اتحاد کو قائم رکھنے، یا قائم کرنے کی عام اور مضبوط خواہش۔

(۵) کسی مستقل مشترکہ دشمن یا مشترکہ خطرہ سے اپنی مجموعی زندگی کو محفوظ رکھنے کا احساس۔

واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ پانچ "وفاقی موثرات" میں سے سوا۔ اختلافات کے شدید سے شدید ترین عناصر کے اور کوئی موافق حالات یہاں ملک میں موجود نہیں ہیں۔ پہلی حالت، یعنی اتحاد و اتفاق کے جذبات بالکل مفقود ہیں۔ تیسری حالت بالکل برعکس صورت میں ہے۔ یعنی اس چھوٹ کے ملک میں جہاں آدمی سے آدمی کے جسم کا محض چھونا ناپاکی کا باعث مانا جاتا ہے۔ وہاں دلوں کا ملاپ کیسے ممکن ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہاں اختلاف کی طاقت، اتحاد کی صورت سے بہت زیادہ قوی ہے۔ آئندہ کے لئے مختلف جماعتوں اور علاقوں کو ایک متحدہ سیاسی نظام کے ماتحت رہنے کی خواہش نہ صرف مفقود ہے۔ بلکہ اس کے برعکس اکثر جماعتیں ایک ایسے متحدہ سیاسی نظام کے قیام کو اپنی جماعتی زندگی

کے لئے ایک خطرہ جانتی ہیں۔ اور اس کو خوف کی نگاہ سے دیکھ رہی ہیں۔ اور ایک ایسے متحدہ نظام کے قیام کو اپنی سیاسی موت یقین کرتے ہوئے اس کی مخالفت کرنے کے لئے پوری طاقت سے تیاریاں کر رہی ہیں۔ پانچویں صورت بھی برعکس صورت میں ہے۔ جو ایک قوم کے لئے خارجی خطرہ کا ہوّا ہے وہ دوسری قوم کیلئے ملّی آزادی کا فرشتہ ہے۔ جو ایک کے لئے خطرہ اور خوف کی چیز ہے۔ دوسری کیلئے امید و آرزو اور سہارا کی چیز ہے۔

الغرض ہندوستان میں "وفاقی موثرات" انتہائی طور پر نہ صرف مفقود ہیں۔ بلکہ ان کے بالکل برعکس حالات موجود ہیں"۔

ہر وفاق لازماً مائل بمرکزیت ہوتا ہے

مسلم نقطۂ نگاہ سے ریاستوں کے فیڈریشن پر، سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ خواہ فیڈریشن ممالک متحدہ امریکہ کی طرز کی ہو، یا کناڈا، آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ کی طرز کی۔ اور خواہ "ما بقی اختیارات" اصلاً مرکز کے لئے محفوظ ہوں، یا عناصر وفاق کے لئے تمام فیڈریشنوں کی یہ ایک جنرل، عام، اور عالمگیر، رجحان ہے کہ وہ اپنے قیام کے بعد روز بروز زیادہ سے زیادہ مرکزیت کی طرف میلان رکھتی ہیں۔ یعنی ہر فیڈریشن کی تاریخ اور تقاضے یہ ظاہر ہے کہ رفتہ رفتہ مرکزی حکومت ترکیبی ریاستوں کی حکومت پر مختلف طریق سے، زیادہ سے زیادہ غلبہ حاصل کرتی جاتی ہے۔ اور ریاستیں زیادہ سے زیادہ مغلوب ہوتی جاتی ہیں۔

اس عام، لابدی اور ناگزیر جنرل رجحان مرکزیت کی سب سے بڑی وجہ موجودہ اسٹیٹ کی معاشی، و مالیاتی حالات ہیں جس کے ماتحت سلطنت کا دائرہ عمل سوشیل خدمات کے باعث اور نیشنل اشغال بالخصوص "دفاع"

کے مطابق وظائف کی بڑھتی ہوئی وسعت و پیچیدگی کے باعث، وسیع سے وسیع اور ہمہ گیر بنتا جارہا ہے۔ اسٹیٹ کے دائرۂ عمل کی یہ وسعت لازماً مرکز کی طاقت کو بڑھانے والی اور ریاستوں کی طاقت کو گھٹانے والی صورت ہے۔ کیونکہ مختلف معاشی طبقات ومالی حالات کی مرکزی نگرانی لازمی ہوگئی ہے۔

دوسری بڑی وجہ موجودہ انڈسٹریل ازم (عام صنعت گری) اور اس کے مسائل ہیں جو اپنے حل کے لئے مرکزی طاقت کے محتاج ہیں۔

تیسری سب سے اہم وجہ نیشنل ازم کی قدرتی خواہش ہمہ گیری اور جذبۂ آمریت وکلیت Totalitarianism سے جو ہر چیز کو اپنے دائرہ میں لینا اور اپنا مغلوب بنا کر ملک کے اندر کامل داخلی اتحاد پیدا کرنا چاہتا ہے۔

چوتھی بڑی وجہ نیشنل ازم کا لازمی و قدرتی طور پر امپیریل ازم کے ہجومی و غاصبانہ نفسیات سے متخلق ہونے کا رجحان ہے۔ اور یہ وہ صورت ہے کہ جب ایک جماعت کا نیشنل ازم، امپیریل ازم بن جاتا ہے۔ تو وہ تمام آئینی حدود کو توڑ کر داخلاً سب پر حاوی ہوجانا اور خارجاً سب کو مغلوب ومفتوح کرنا چاہتا ہے۔ اور داخلی یا خارجی جنگ لازماً مرکزیت پیدا کرتی ہے۔

ان حالات میں، تمام آئینی تحفظات اور تدابیر کے باوجود ہندوستان میں فیڈریشن کے قیام کا اس کے نیچرل، تاریخی اور سماجی حالات کے ماتحت یہ نتیجہ ہوگا کہ مرکز میں ہندو سامراج قائم ہوجائے گا جو تمام دوسری ملتوں کو مٹا کر اپنا غلبہ نیشنل ازم کے نام سے مستحکم کرتا جائے گا۔

کانتون سسٹم کی ہندوستان میں ناموزونیت!

کانتون سسٹم! خاص سوئٹزر لینڈ کا نظام ہے۔ سوئٹزر لینڈ ایک

مختلف الملل، مختلف الاقوام، اور مختلف اللسان، ملک ہے۔ اس میں ایک عجیب قسم کی فیڈریشن قائم ہے۔ جس کو ممالک متحدہ امریکہ کی "ریاستوں" کی فیڈریشن کے مقابلے میں، مختلف "قومیتوں" کا فیڈریشن کہنا چاہیے
سوئٹزرلینڈ میں تین قومیں آباد ہیں جو تین علاحدہ زبانیں بولتی ہیں (۱) ایک فرنچ قوم ہے جو فرنچ زبان بولتی ہے۔ (۲) ایک جرمن قوم ہے جو جرمن زبان بولتی ہے۔ اور (۳) ایک اٹالین قوم ہے۔ جو اٹالین زبان بولتی ہے
یہ تینوں قومیں کم و بیش ملک کے تین حصوں میں آباد ہیں۔ ان میں سے ایک ایک ضلع یا ریاست کو "کانتوں" کہتے ہیں۔ ملک کے مغربی حصے میں فرنچ کانتوں ہیں جہاں فرنچ خود مختاری کے ساتھ حکومت کرتے ہیں۔ شمالی حصے میں جرمن کانتوں ہیں جہاں جرمن غالب ہیں اور جنوبی حصے میں اٹالین کانتوں ہیں۔ جہاں اٹالین برسر اقتدار ہیں۔ تمام فرنچ جرمن اور اٹالین کانتون کی ترکیب سے ایک مرکزی فیڈرل حکومت قائم ہوتی ہے۔ جو کاروباری اصول پر کام کرتی ہے۔ ایک خاص مساویانہ اساس (تناسب کے مطابق تینوں قوموں کو مرکزی وفاقی حکومت کے اندر نیابت حاصل ہے۔ تینوں زبانوں کو یکساں درجہ حاصل ہے۔ تینوں قومیں سفید فام یوروپین نسل کی ہیں۔ ایک ہی فرنگی تہذیب سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایک ہی دین عیسوی کو مانتی ہیں۔ لیکن اٹالین رومن کیتھولک چرچ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جرمن لوتھرن چرچ سے وابستہ ہیں اور فرنچ کالوینسٹ چرچ کے حلقہ بگوش ہیں۔ تینوں کو ملّی اور تعلیمی اور کلچرل آزادیاں یکساں حاصل ہیں۔ تینوں کے پرسنل لاز محفوظ ہیں۔ جرمن ستر فی صدی ہیں۔ اس کے بعد فرنچ کی تعداد ہے۔ اور سب سے کم آبادی اٹالین کی ہے۔ لیکن مرکزی حکومت میں جرمن اور فرنچ بالکل برابر، برابر تعداد میں لیے جاتے ہیں۔

یہ کانتوں سسٹم بھی ہندوستان کے لئے بالکل ناموزوں ہے۔

سوئٹزرلینڈ ایک نہایت چھوٹا سا بفر اسٹیٹ ہے۔ جو الپس کے پہاڑوں کے درمیان قدرتی حصاروں سے محصور اور تین بڑی سلطنتوں کے حدود سے محدود ہے۔ اس کو ہندوستان جیسے ایک برِاعظم سے ملانا بالکل غلط گمراہ کن ہے۔

دوم، جرمن، فرنچ اور اٹالین، اقوام جو سوئٹزرلینڈ میں جمع ہیں۔ ایک ہی دین عیسائیت کے پیرو ہیں۔ ایک ہی سفید فام یوروپین نسل کے ممبر ہیں۔ اور ایک ہی فرنگی تمدن کے رکھنے والے ہیں۔ برعکس اس کے ہندوستان میں نہ دینی اتحاد ہے۔ نہ نسلی اور نہ تمدنی، بلکہ اختلاف ہی اختلاف ہے۔

دوم اس کا خطرہ ہے کہ ہندوستان کی ہندو قوم، وہ رواداری اور عملی سیاسی کاروباری ذہنیت کا ثبوت نہیں دے سکتی ہے۔ جس کے باعث سوئٹزرلینڈ کا بین الملّی وفاق کامیاب ہوا۔ ہے بلکہ قرینہ یہی غالب ہے۔ کہ کانتوں سسٹم کے قیام کے بعد ہندو اس کی انتہائی کوشش کریں گے۔ کہ ہندوستان کو ایک ہندو اسٹیٹ میں تبدیل کردیں کیونکہ بہرحال کانتوں سسٹم کے ماتحت ہندوستان ایک متحدہ سلطنت ہوگا اور نیشن اسٹیٹ شمار ہوگا۔

مساوات سسٹم یا آئنگر اسکیم!

پاریٹی سسٹم۔ یعنی دونوں قوموں میں، حکومت میں کامل مساوات کے اصول پر، حصہ داری قائم کرنے کا نظام۔

اس سے ایک ایسا نظام سلطنت مراد ہے۔ جس میں دو قوموں کو، حکومت کے ہر صیغہ میں، مساوات کی پوزیشن حاصل ہو۔ جیسا کہ یوگوسلاویا میں کروٹ قوم اور سرب قوم کے درمیان ایک معاہدہ کے بعد ظہور میں آیا ہے۔

مرتب قوم ۔ یوگوسلاویا کی غالب اکثریت ہے۔ لیکن اس نے ملک کے "داخلی اتحاد کو قائم رکھنے کی خاطر، کروٹ اقلیت کو حکومت میں مساوات کا درجہ دیا ہے

مسٹر سری نواس آئنگر، صدر گوہٹی کانگرس ۱۹۲۶ء وصدر آل انڈیا اتحاد کانفرس ۱۹۲۷ء نے ایک اسکیم اسی مطلب کی پیش کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے ۔ کہ :-

(۱) پارٹی گورنمنٹ، مغربی جمہوریت کی ناکامیوں اور خرابیوں کی اصلاً ذمہ دار ہے ۔

(۲) پارٹی گورنمنٹ کے طریقہ کو خیرباد کہدینا چاہیئے۔ اور مرکز اور صوبجات کی تمام وزارتوں میں اہم اقلیات کا لحاظ رکھتے ہوئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو بالکل برابر، برابر، نیابت ملنی چاہیئے۔

(۳) کابینہ کے ہندو ممبروں کو ہندو ممبران اسمبلی منتخب کریں اور مسلم وزیروں کو مسلم ممبران اسمبلی نامزد کریں ۔

(۴) کوئی کابینہ اس وقت ختم نہیں ہوگا جب تک ⅔ اکثریت اسکے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ نہ پاس کردے ۔ ضروری ہے۔ کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی دو۔ دو تہائی اکثریتوں کا اظہار دونوں کے الگ الگ ووٹنگ کے ذریعہ کیا جائے ۔

(۵) ہندوستان کی فوج میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا حصہ مساوی رکھا جائے

(۶) ہر قوم کے دین، زبان، اور پرسنل لاء کی حفاظت کی گارنٹی دی جائے دیگر فوائد اور سروسوں کی مناسب تقسیم کا بھی بندوبست کیا جائے۔

(۷) "کانگریس کو مسلمانوں کی عظیم الشان اکثریت کا قطعاً اعتماد حاصل نہیں ہے اور جب تک اس کی موجودہ لیڈرشپ اور فلسفہ موجود ہے، جس نے ہم لوگوں کو ایک بے ریڑھ کی کمزور قوم بنا رکھا ہے، اس کانگریس کی اصلاح کی تمام کوشش بے سود ہوگی۔ مسلم لیگ پر، ہندوؤں کو اعتماد نہیں ہے اس لئے وہ کوئی نیشنل غرض کو پورا نہیں کرسکتی ہے۔ لہذا، ایک بالکل نئی تنظیم کی ضرورت ہے"

(۸) یہ نئی تنظیم خالص وطنیت اور دنیاوی سیاست اور مادیت پر مبنی ہوگی۔

یہ اسکیم بہت خوبصورت ہے، لیکن ساتھ ہی بہت خوفناک۔ ہندو قوم کبھی، اس کو نہیں مانے گی۔

مسٹر آئنگر کی مجوزہ نئی تنظیم کا قائم ہونا، اور ہندوؤں ور مسلمانوں کی ملی تنظیمات کو دبا کر غالب تنظیم بننا بھی بحالات موجودہ محال نظر آتا ہے کیونکہ کوئی قوم، اپنی علیحدہ قومیت۔ اور مذہبیت اور تہذیب سی دست بردار ہوکر، ایک ناموجود، اور موہوم، قومیت متحدہ ــــ میں اپنے کو فنا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ مادیت اور لادینی سیاست کا ہندوستان جیسے روحانی ملک میں کامیاب ہونا ناممکن ہے۔

سوویٹ یونین سسٹم

سوئیٹ یونین سسٹم۔ سے مراد، سوشیلسٹ سوئٹ جمہوریتوں کا وہ

یونین ہے جو روس میں بالشیوزم کے ماتحت قائم ہوئی تھی۔ اور جس کے ماتحت، مختلف قوموں اور نسلوں کی علٰحدہ علٰحدہ ریاستیں تعمیر کی گئی تھیں یہ نظام گویا سوشیلسٹ قوموں اور علاقوں کا ایک فیڈریشن تھا۔ شروع میں یہ امید کی گئی تھی کہ سوئیٹ یونین سسٹم مختلف ملتوں، قوموں، نسلوں، اور زبانوں کو بین الاقوامی سوشیل ازم کے اساس پر ایک عادلانہ وفاق کی صورت میں جمع کرنے اور اُن کے مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہو گی اور اقلیات کا لاینحل مسئلہ سوشیل ازم کی آفاقیت وارضیت کے ذریعہ حل ہو جائیگا۔

لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد، روس میں دو تخریبی طاقتوں کا ظہور ہوا۔ ایک روسی نیشنل ازم کی تحریک۔ اور دوسری خدا بیزار، مذہب دشمن دہریت کی جارحانہ تحریک۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کروڑوں مسلمانان روس ترکستان، آذربائیجان، وقفقاز، اپنی دینی و ملّی شخصیت سے محروم کردیئے گئے مسجدیں ڈھادی گئیں۔ مدرسے اور اوقاف ضبط کر لئے گئے۔ مذہبی کتابوں کی طباعت، اشاعت بند کر دی گئی، اور پوری ملت اسلامیہ روس کو قتل کر دینے کی کوشش کی گئی۔

شروع میں مسلمانوں نے بالشویزم کا خیر مقدم کیا تھا۔ اور اسکے استحکام میں بہت قیمتی مدد پہونچائی تھی، لیکن روسیوں نے طاقت پکڑنے کے بعد، سب سے پہلے آزاد مسلم ریاستوں پر ہاتھ صاف کیا اور ان کی آزادیوں کو سلب کرلیا اور اُن کی مذہبی انفرادیت کو جبر و قہر کی طاقتوں سے فنا کر دیا۔

سچ ہے، جو نظام، خود عدل کی نفی پر مبنی ہو اس سے کسی عادلانہ بین الاقوامی نظام کی اُمید رکھنا غلط ہے۔

"پاکستان اور "ملت سسٹم"

حضرات!

اب آخر میں، مجھے تقسیم ہند کے اس خاص مجوّزہ نظام پر نظر ڈالنی ہے جس کو عرف عام میں پاکستان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ سب سے اول مجھ کو اس غلط فہمی اور غلط بیانی کی تردید کرنی ہے کہ تقسیم ہند کی رُو سے مسلم اقلیتوں کو یوپی، بہار، سی پی، اور مدراس سے مسلم اکثریت کے صوبوں کی طرف ہجرت کرنا ضروری ہے۔ اور ایسی صورت میں اُن کے املاک اور مقاماتِ مُقدسہ اور آثار قومی کا یہ یادھونا لازمی ہے۔ مسلم لیگ کی تقسیم ہند کے پلان میں مسلمانوں کی مہاجرت کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ مسلم اقلیات کو اغیار کے رحم وکرم پر بے یار و مددگار چھوڑنے کا کوئی خیال ہے، اور نہ ملت اسلامیہ ہند کے اتحاد قومی کو پاش پاش کرنے کا کوئی گمان ہے۔

مسلم لیگ کی تقسیمِ ہند کی اسکیم ابھی مکمل طور پر، اپنے ضروری دستورات وتدابیرِ تحفظات کے ساتھ تیار کرکے پیش نہیں کی گئی ہے۔ لاہور میں چند بنیادی واساسی اصول کو طے کیا گیا تھا، جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس وقت اس اسکیم کی عمومی افادیت سے بحث کرنا مقصود ہے۔

تقسیم ہند کیوں ضروری ہے؟

اس لئے کہ ہندوستان مختلف الاقوام براعظم ہے۔ یہ اتنا بڑا ہے کہ یہ ہمیشہ مختلف مستقل سلطنتوں اور مختلف قوموں کا گہوارہ رہا ہے۔ اسوقت بھی کئی سو ریاستوں اور کئی بڑے مستقل صوبوں اور لسانی وقومی خطوں کا مجموعہ ہے جن کو صرف برطانوی سنگینوں کی فوجی شہنشاہیت نے قوت قاہرہ

کی مدد سے ایک نظام کے ماتحت رکھا ہے - ورنہ ان کا اپنا کوئی رابطہ سیاسی اور رابطہ روحانی نہیں ہے - آج بھی برطانیہ کی فوجی طاقت ہندوستان سے واپس بلالی جائے تو یہ ملک پاش پاش ہو کر سیکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گا -

اس براعظم میں دو بڑی قومیں آباد ہیں جو قریبًا ہر چیز میں ایک دوسرے کی ضد ہیں - یہ دونوں قومیں ایک قبائے سلطنت میں نہیں سما سکتی ہیں - یہ ایک قانون اور ایک حکومت کے ماتحت نہیں رہ سکتی ہیں لہذا ملک کے دائمی امن اور قوموں کی دائمی مصالحت کی واحد صورت یہ ہے کہ دونوں قوموں کو اپنے اپنے مستقل دائروں میں آزادانہ ترقی کرنے کا موقع دیا جائے -

خوف و محبت و اُمید کے محرکات

مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ سے تقسیم ہند کی تجویز کے دو اہم ترین محرکات ہیں اولًا ملت اسلامیہ ہند کو ہندو فسطائیت اور ہندو فیڈریشن کی موت کے منہ میں گرنے کے خطرہ سے بچانے کا محرک ہے (۲) دوم ملت اسلامیہ کے لئے اس کے عظیم الشان سیاسی و معاشی، روحانی و اخلاقی روایات کے مطابق ایک مستقل اسلامی سلطنت اور ایک جدید انسانی تمدن خالص اسلامی اصول پر تعمیر کرنے کا سامان بہم پہونچانا ہے -

پہلا محرک قومی موت کے خوف پر مبنی ہے - اور دوسرا محرک ایک بہترین زندگی کی محبت و امید پر مبنی ہے - اور خوف و محبت و امید زبردست ترین محرکات انسانی زندگی میں ہیں لیکن دونوں کی اصل اور غرض ایک ہے یعنی ملت اسلامیہ کو خطرات سے بچانے اور اس کو طاقت و

ترقی کے بلند ترین مقام تک پہونچانے کا خیال۔

حضرات! آپ دیکھ چکے ہیں کہ جسم ہندوستان پر (۱) نیشن اسٹیٹ (۲) فیڈریشن (۳) کانتون سسٹم (۴) مساوات سسٹم (۵) اور سوئیٹ سسٹم میں سے کسی سیاسی نظام کی قبا چسپاں نہیں آتی ہے۔ اندریں حالات اب اس کے سوا کیا چارا ہے کہ ہندوستان کی مصنوعی سیاسی وحدت کو جو برطانوی تلوار کے زور سے جبراً ملک پر مسلط کی گئی ہے توڑ دی جائے اور ملک کی تاریخی قدرتی اور حقیقی قومیتوں کی تقسیم کے اساس پر از سر نو ملک کی تعمیر کی جائے اس طرح کہ یہ قومیں آزادی، اطمینان اور رواداری کی زندگی گذار سکیں۔

پاکستان اقوام ایشیا کی صف اول میں

پاکستان اسکیم کے فوائد میرے خیال میں حسب ذیل ہیں:—

(۱) سیاسی لحاظ سے یہ اسکیم ہندوستان کے بین الاقوامی مسئلہ کا بہترین حل ہے۔ یہ مسلمانوں کو دائمی خوف کی زندگی اور ملی ہلاکت کے خطرہ سے آزاد کر کے اُن کو ایشیا کی زبردست سیاسی طاقتوں کی صف اوّل میں کھڑا کر دے گا۔

مالی فوائد

(۲) مالی لحاظ سے یہ بنگال و پنجاب و سندھ و سرحد کی حالت کو اس وقت سے بہتر و برتر کر دے گا۔ اس وقت بنگال و پنجاب کے انکم ٹیکس کا بڑا حصہ مرکز کو چلا جاتا ہے۔ بنگال کو جوٹ اور پاٹ کی پیداوار میں ساری دنیا میں اجارہ داری کی پوزیشن حاصل ہے کیونکہ جوٹ اور کسی ملک میں نہیں ہوتا، اور اس کے پیدا کرنے والے زیادہ تر مسلمان کاشتکار ہیں، لیکن جوٹ ٹیکس کی ساری آمدنی مرکز کو چلی جاتی ہے۔ کسٹمس

یعنی درآمد و برآمد کے ٹیکسوں کی ساری آمدنی بھی مرکز کو چلی جاتی ہے - اور ملک کے دو اہم ترین ذرائع آمدنی انکم ٹیکس اور کسٹمس ہیں - جن سے کروڑوں اور اربوں کی آمدنی ہوتی ہے - تقسیم کی صورت میں یہ آمدنی محفوظ ہوگی -

اقتصادی فوائد

(۳) تجارتی لحاظ سے، پنجاب، سندھ و سرحد اور بنگال کے صوبے بمبئی اور گجرات کی صنعتی اجارہ داری اور حکومت کی غلامی سے آزاد ہوجائیں گے اور بمبئی اور احمد آباد کے بنیا جس طرح مرکزی حکومت کی مالی، اور محصولاتی پالیسی پر دخیل ہوکر، سارے ملک کے نظام مالیات کو اپنے سرمایہ دارانہ اغراض کے لئے استعمال کرنا چاہ رہے ہیں، اس کا خاتمہ ہوجائے گا - ساتھ ہی مسلم ریاستوں کو ان بنیوں کی مسابقت سے آزادی مل جائے گی اور وہ اپنے حالات کے مطابق اقتصادی ترقی کریں گی - سودخواری، جاگیرداری اور سرمایہ دارانہ امراض کا معاشیات اسلام کے ذریعہ علاج کیا جائے گا -

مکمل نظام اسلام کا قیام

(۴) دینی اعتبار سے، یہ فائدہ ہوگا کہ مسلمانوں کو اسلام کے مکمل شرعی، تمدنی، واقتصادی و عمرانی نظام کو پوری طرح جاری کرنے کا موقع ملے گا جو سارے ہندوستان کیلئے اور خصوصاً اس کے تعلیم یافتہ طبقات، اور اچھوت و پس ماندہ اقوام کیلئے نجات کی عملی راہ ثابت ہوگا - یہ صورت دینِ اسلام کی اشاعت میں سب سے بڑی معاون طاقت ہوگی، کیونکہ اسلام ایک تھیوری کی پوزیشن سے ابھر کر مکمل عملی نظام کی حیثیت سے قائم ہوگا اور ہر غیر مسلم کو اس کی برتری اور دلکشی کا عملی مشاہدہ کرنے کا موقع حاصل ہوگا -

(۵) تہذیب اسلام اپنے پورے جمال و جلال کے ساتھ نمودار ہوگا

مذہب اسلام قوموں کو روحانی طور پر فتح کرنے کیلئے تیار ہوگا - اور ہندوستان سے اُس تمدن کے استئصال کی رفتار تیز ہو جائے گی جس کو ایک بڑے اچھوت لیڈر نے ایک سوشیل مرض متعدی قرار دیا ہے -

عسکری فوائد

(۶) عسکری اور فوجی لحاظ سے ' ہندوستان کی تمام کنجیاں مسلمانوں کے ہاتھ میں آجائیں گی اور اُن کی سرحداری ہند و کلید برادری ملک کی پوزیشن پہلے سے مستحکم ہو جائے گی - کراچی کلکتہ ' چاٹگام کی اوّل درجہ کی بندرگاہیں مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوں گی - کراچی کا اہم ترین ہوائی اڈّا اور مشرق میں سب سے بڑا ہوائی راستوں کا مقام اتصال ' مسلمانوں کے قبضے میں ہوگا - خیبر پاس اور بولن پاس مسلمانوں کے قبضہ میں ہوں گے - برما اور بنگال و آسام کی سرحدات اور بحری و بری و ہوائی راہیں مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوں گی - الغرض فوجی و عسکری اور Stralegical لحاظ سے مسلمانوں کی پوزیشن براعظم ہند میں اہم ترین ہو جائے گی - اور حقیقی معنی میں ہندوستان کے چوکیدار اور محافظ مسلمان ہوں گے - بنگال کے بہادر جہازی "لشکریوں" کی قوم سو فیصدی مسلمان ہے - شمال مغربی ہند کے مسلمان ہندوستان کے مسلّمہ بازوئے شمشیر زن ہیں - اُن کی فوجی صلاحیت مشرق و مغرب سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے - اُن کی مستقل سلطنت کی صورت میں ' تنظیم ' سیاسیات مشرق کا اہم ترین واقعہ تسلیم کیا جائے گا جو سارے ایشیا کے بیلانس آف پاور کو منقلب کر دے گا - اور ہندی مسلم قوم کو اقوام ایشیا کا لیڈر بنا دے گا -

مسلم اقلیات کا پشتہ اور ضامن

(۷) لہٰذا مجوزہ مسلم ریاستوں کا شمال مغربی ہند اور شمال مشرقی ہند میں قیام '

مسلم اقلیات کے لئے طاقت، طمانیت، آزادی اور حفاظت کا بہترین و محکم ترین ضامن ہو گا۔ اگر سرحدات ہند پر مسلمانوں کی مضبوط وفاقی سلطنت ہو گئی تو کسی ہندی قوم کو یہ خیال نہیں ہو گی کہ وہ ہندوستان کی اس کلید بردار اور چوکیدار قوم کے "ہم قوموں" کے ساتھ بد سلوکی کرے۔ کیونکہ دراصل ساری براعظم ہند کی آزادی و حفاظت اس سرحدار قوم کے ہاتھ میں ہو گی۔ اور سارا ہندوستان ان کی دوستی کا محتاج ہو گا

ہندوستان میں آزاد مسلم سلطنت کا قیام ممالک اسلامیہ کیلئے ضروری ہے

(۸) ہندوستان میں مضبوط و آزاد اسلامی سلطنت کا قیام نہ صرف ملت اسلامیہ ہند کی حفاظت کے لئے ضروری ہے بلکہ خود ممالک اسلامیہ بالخصوص عرب، مصر و عراق، ایران و افغانستان کے استقلال کے لئے لازمی ہے ورنہ بصورت دیگر اگر ہندوستان پر ہندو قوم کی سامراجی حکومت قائم ہو گئی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ ہندوستان کا اقتصادی نیشنلزم اور سیاسی امپیریلزم مذکورہ اسلامی ملکوں کے لئے خطرۂ عظیم بن جائے گا۔ البتہ اگر ہندوستان کے اندر زبردست اسلامی سلطنت قائم ہو گئی تو وہ ممالک اسلامیہ کی محافظت کے خط اول (فرسٹ لائین) کا کام دے گی۔ مسلمانوں کے ساتھ بنیا نیشنلزم نے ابھی ابھی، زنجبار برما اور افغانستان کی تجارت کے سلسلہ میں جو کچھ کیا ہے وہ ہماری آنکھوں کو کھولنے کے لئے کافی ہے۔

حلیفانہ معاہدۂ دولتین (۹) پاکستان اور ہندوستان کے درمیان موجود مخاصمت اور مخالفت ختم ہو جائے گی۔ دونوں سلطنتوں کے درمیان ایک حلیفانہ اور دوستانہ معاہدۂ بین الدولتین ALLIANCE قرار پائیگا جس میں براعظم ہند کی مدافعت کے متعلق دونوں سلطنتوں کے تعاون کا

فیصلہ ہوگا۔ اسی معاہدہ میں مسلم قوم کے ہم قوم Conational
"کونیشنل" یعنی ہندو ریاست کی مسلم اقلیات کے حقوق ملّی کی حفاظت کے
متعلق ضروری شرایط و تدابیر درج ہونگی۔

مسلم سفارتخانوں کا نظام

(۱۰) مسلم سلطنت اور ہندو سلطنت میں تجارتی
اغراض کے لئے بھی معاہدات ہوں گے، لیکن
دونوں کے درمیان جو بنیادی اور اہم حلیفانہ معاہدہ ہوگا اس میں مختلف اقطارِ
ہند میں مسلم سفارتخانوں کے قیام کی تدبیر بھی کی جائے گی۔ مسلم سلطنت کے
ان سفیروں کا ایک کام، مسلمانوں کے واجبی مذہبی و ملّی حقوق کی حفاظت
کرنا ہوگا کیونکہ بہار، یوپی، بمبئی، مدراس کے مسلمان، در اصل آزاد مسلم
سلطنت کی آزاد قومیت اسلامیہ ہند کی "کونیشنل" Conational
یعنی "ہم جنس و ہم قوم" مانے جائیں گے اور ان کے جسم کے اعضا و
جوارح شمار ہوں گے جس طرح ہندوستان میں انگریز مانے جاتے ہیں۔

ناظر المعارف الاسلامیہ و ثقافت الملّیہ

(۱۱) مسلم سلطنت کی طرف سے، ہندو
ریاست ہند میں ایک خاص، اعلیٰ عہدہ دار
Director of Islamic Studies & Culture
یعنی ناظر المعارف الاسلامیہ و ثقافت الملّیہ ہوگا۔ یہ منصب دار
ہندو ریاست کے اندر مسلم تعلیم و تمدن، مدارس و مکاتب، و مجالس علمی،
کا نگران اور محافظ ہوگا۔ یہ مسلمانوں کے تعلیمی و تمدنی ترقی کی نگرانی کریگا
اور اس کے متعلق سالانہ رپورٹ پیش کیا کرے گا۔

سوپریم مسلم کاونسل کا قیام

(۱۲) معاہدۂ بین الدولتین کی رو
سے ایک سوپریم مسلم کاونسل

یعنی "مجلس اعلیٰ اسلامی" قائم ہوگی جو ہندو ریاست کے مسلمانوں کی مسلمہ ملّی مجلس شوریٰ شمار ہوگی۔ اس کی ترکیب اور کانسٹی ٹیوشن معاہدہ مذکورہ کے رو سے طے ہوگی۔

شیخ الاسلام اور نظام قضا و افتا کا قیام (۱۳) مجلس اعلیٰ اسلامی کے صدر کا تقرر، مسلم سلطنت کے صدر اعظم کی طرف سے ہوا کرے گا۔ مجلس کا صدر، شیخ الاسلام کہلائیگا اور ہندو ریاست کے مسلمانوں کا پیشوا شمار ہوگا۔ اسکے ماتحت مسلمانوں کے پرسنل لا کے مطابق خاص خاص مسلم قضایا کے فیصلہ کیلئے محاکم شرعیہ اور نظام قضا و افتا قائم ہونگے۔ جیسا کہ فلسطین و ممالک بلقان میں قائم ہیں

اسلامی بیت المال کا قیام (۱۴) مجلس اعلیٰ اسلامی، شیخ الاسلام اور محاکم شرعیہ اور ناظر المعارف کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے مسلمانوں کو اپنے اوپر خاص محصول اندازی کا حق ہوگا اور وہ ان خاص محصولات کو ریاست کے عمومی ٹیکس ڈیپارٹمنٹ کے ذریعہ وصول کرنے کے حقدار ہوں گے۔ اسلامی زکوٰۃ و صدقات کے وصول کرنے کا اسی طرح انتظام ہوگا۔ تمام فنڈ بیت المال اسلامی میں جمع ہوگا۔ لاوارث مسلمانوں کا مال بھی اسی بیت المال میں جمع ہوگا۔ بیت المال مجلس اعلیٰ کے ماتحت ہوگا۔

املاک عامرہ و مقامات مقدسہ (۱۵) مسلمانوں کے اوقاف، قبرستان، مزارات، مساجد، خانقاہ، درگاہ، امام باڑا اور تاریخی عمارات و آثار کی مکمل فہرست معہ حدود و نقشہ، شیخ الاسلام کے پاس ہوگی جو ان کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا۔ معاہدہ بین الدولتین — — — — — —

(Two-States' Treaty of Alliance) — —

ہیں اِن مسلم املاک عامرہ ومقامات مقدسہ کی حفاظت کے متعلق ضروری تدابیر درج ہوں گی اور ان کو پوری مسلم قوم کی مشترکہ مقدس ناقابلِ انتقال جائداد تسلیم کی جائے گی۔

قرآن واحادیث ودینی کتب کی طباعت وتجارت کی مونوپولی

(۱۵)۔ معاہدہ بین الدولتین کے مطابق قرآن، احادیث اور دینی مقدس کلاسیکس کی طباعت، اشاعت وتجارت کا حق، بحق ملّت اسلامیہ محفوظ ہوگا۔ اور ناظر المعارف الاسلامیہ الشیخ الاسلام کے مشورہ سے ان کتابوں کی تجارت واشاعت کا کام انجام دے گا۔

اس سے جو نفع حاصل ہوگا وہ تمام تر اس بیت المال میں جمع ہوگا۔ جو مجلس اعلیٰ اسلامی کے ماتحت قائم ہوگا۔ یہ سارا نفع اسلامی تعلیم وتمدن کی ترقی کے لئے مخصوص ہوگا۔

مسلم سلطنت کی طرف سے امدادی فنڈ

(۱۶) مسلم سلطنت، ہندوسلطنت کے حدود کے اندر بسنے والی اپنے ہم قوم مسلمانوں کی امداد کے لئے اپنے بجٹ میں سالانہ خاص "امدادی رقوم" یا "سب سی ڈیز" Subsidies منظور کیا کرے گی۔ مثلاً بنگال ہر سال اپنے بجٹ میں بیس لاکھ روپیہ مسلم اقلیات کے لئے منظور کیا کرے گا۔ پنجاب دس لاکھ۔ وعلیٰ ہذا القیاس

علی گڑھ اور دیوبند کی تعلیمی مرکزیت

(۱۷) علی گڑھ اور دیوبند کی علمی مرکزیت تسلیم کی جائے گی۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل

کانفرنس کی پوزیشن مستحکم کردی جائے گی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو تمام ہندوستان کے اسکولوں اور کالجوں کے الحاق کو منظور کرنیکا حق تسلیم کیا جائیگا اور یہی درجہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، دارالعلوم دیوبند اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے لئے مسلم ہوگا۔

الغرض ملت اسلامیہ کو ایک "قائم شدہ منظم ملت" کی پوزیشن حاصل ہوگی مسلم سلطنت کے نہ ہونے کے باعث مسلم قوم اس برِاعظم میں ایک بے والی، بے وارث، بے مرکز اور بے سہارا "یتیم" قوم کی مانند ہے۔ لیکن تقسیم ہند اور مسلم سلطنت کے قیام کے بعد وہ ایک قوم ہوگی جس کے اِس ملک میں خاص والی اور وارث ہوں گے۔ اور جس کی تنظیم کے پیچھے ایک آزاد خودمختار اور طاقت ور سلطنت کی سند ہوگی۔

"ملت سسٹم" کی اصل اور تاریخ

حضرات میں نے اوپر جن ملی حقوق اور ملی ادارات کے نظام خاص کا ذکر کیا ہے دراصل انہیں کا نام "ملت سسٹم" ہے۔ یہ کوئی نیا نظام نہیں ہے۔ بلکہ تیرہ سو برس کا پرانا نظام ہے۔ اس کی بنیاد حضرت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈالی تھی، جبکہ آپ نے مسلم سلطنت میں غیر مسلم قوموں کے ملی حقوق کے نظام کو سب سے پہلی دفعہ تسلیم کر کے ایک ایسی مثال قائم کی تھی جس کی نظیر آج تک کوئی دوسری قوم پیش نہیں کر سکی۔ اسی مثال کی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے پیروی کی تھی۔ اسی پر سلاطین عرب کا عمل رہا۔ اور اسی نظام ملت کو سلاطین ترکیہ، و شاہان مصر تسلیم کرتے آئے۔ مصر میں آج بھی یہ نظام بحال و برقرار ہے۔ اس کے مطابق مصر میں ہر "ملت" کا ایک خاص "نظام ملت" ایک خاص "سردار ملت" کی قیادت میں اور ایک

خاص "ادارہ" کے زیر اہتمام سلطنت اسلام کی طرف سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور بین الملی معاملے میں متعلقہ ملّت کے سردار سے معاملہ کیا جاتا ہے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس "ملت سسٹم" کی بنیاد اپنے ان چارٹرز (منشورات و مواثیق) کے ذریعے رکھی تھی، جو آپ نے نجران کے عیسائیوں اور دوسری غیر مسلم اقلیات کو عطا فرمائے تھے۔ ان کا اصل الاصول یہ تھا کہ آپ نے ان غیر مسلم اقلیتوں کو اپنی جگہ ایک بالکل منظم "قوم" اور اپنے داخلی معالات میں خودمختار "ملت" تسلیم کیا ہے۔ اور ان کے ملی حقوق کو نہایت فیاضی سے تسلیم فرمایا ہے۔ آپ کے دو چارٹرز کے مندرجہ ذیل الفاظ قابل غور ہیں۔

"ملت سسٹم" کے متعلق فرامین نبوی

لنجران جوار اللہ وذمۃ محمد النبی علی انفسھم وملتھم وارضھم واموالھم وغائبھم وشاھدھم وعشیرتھم وتبعھم وان لا یغیروا لما کانوا علیہ ولا یغیر حق من حقوقھم ولا ملتھم ولا یغیر کلّما تحت ایدیہم من قلیل او کثیر ولیس علیھم ربیۃ ولا دم جاھلیۃ ولا یحشرون ولا یطاء ارضھم جیش۔

"نجران والوں کو اللہ اور محمد رسول اللہ کی حفاظت حاصل ہوگی۔ اُن کی جان کے لئے، اور اُن کی ملت کے لئے، اور اُن کی زمینوں کے لئے، اُن کے اموال کے لئے حاضرین و غائبین کے لئے صاحبانِ قبیلہ کے لئے، اور اُن کے تابعین کے لئے، اُن کی حالت و حیثیت میں، اور ان کے حقوق میں سے کسی حق میں، اور اُن کی ملت میں کوئی تبدیلی و ترمیم نہیں کی جائے گی۔ اور جو کچھ کم یا زیادہ اُن کے پاس ہے، اس میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ زمانہ جاہلیت

کے شبہات یا قتل کے جھگڑے اُن پر نہیں چلائے جائیں گے۔ وہ بیگار میں نہیں پکڑے جائیں گے۔ اُن سے دہ یکی نہیں لی جائے گی۔ اُن کے علاقہ سے فوج نہیں گذرے گی)

دوسرے چارٹر میں "ملت سسٹم" کے اصول کو اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں پیش فرمایا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد النبی الی الاسقف ابی الحارث واساقفۃ نجران وکہنتہم ورھبانہم واھل بیعتہم ورقیقھم وملتھم وسواطیتھم وعلی کل ما تحت ایدیھم من قلیل اوکثیر جوار اللہ ورسولہ لایغیر من سقفیۃ ولا راھب من رھبانیۃ ولا کاھن من کھانیتہ ولا یغیر حق من حقوقھم ولا سلطانھم ولا مما کانوا علیہ علی ذالک جوار اللہ ورسولہ ابدًا ما نصحوا واصلحوا علیھم غیر متقلبین بظالم ولا ظالمین۔

(یہ تحریر محمد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے ہے۔ اسقف ابو الحارث کیلئے نجران کے دوسرے اسقفوں، کاہنوں، راہبوں، اُن کے معتقدوں، غلاموں، اُن کے ملت والوں، اُن کے پولیس والوں کے متعلق، اور ان کی کم یا زیادہ چیزوں کے متعلق جو اُن کے ہاتھ میں ہیں۔ اِن سب کو خدا اور رسولؐ کی حفاظت حاصل ہوگی۔ اسقف اپنے عہدہ سقفیت سے، راہب اپنی رُہبانیت کے منصب سے، اور کاہن اپنی کہانیت کے درجے سے بدلا یا ہٹایا نہیں جائے گا۔ اُنکے حقوق میں سے کسی حق میں، اور اُن کے سلطان و اختیار یعنی آزادی و خود مختاری میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ اُن کی موجودہ حالت و حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ بشرطیکہ رعایا کے خیر اندیش و خیر خواہ رہیں۔ اور نہ ظالم کا

ساتھ دیں اور نہ خود ظلم کریں"۔

حضرات!

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دو قیمتی چارٹروں کو اسلام کی فیاضی کو ثابت کرنے کے لئے یہاں پیش نہیں کیا ہے، بلکہ یہ دکھانے کے لئے کہ ان چارٹروں میں وہ عظیم الشان سیاسی اصول اور بین الاقوامی نظام کے قوانین موجود ہیں، جن کی پیروی کر کے آج بھی ہندوستان نجات پا سکتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، ان فرامین نبوی کی رُو سے:

(۱) "ملت مسلم" کو قائم فرمایا گیا۔ ہر "ملت" کو ایک منفرد و مستقل جماعتی "شخصیت" مان لیا گیا۔ اور اس کی علیحدہ ملی تنظیمات کو مع ان کے حقوق ملی و دنیاوی اور مع ان کے اختیارات کے بحال و برقرار رکھا گیا، ان کی ملی ہستی کی تحلیل کا کوئی خطرہ نہیں رہا۔

(۲) ہر ملت کی علیحدہ "ملی قیادت" کو تسلیم کیا گیا۔ اور ان کے عہدوں اور منصبوں کو قائم رکھا گیا۔

(۳) ہر ملت کی سیاسی و اقتصادی حالت کو بحال رکھا گیا۔ اراضی و اموال کو محفوظ کر دیا گیا۔

(۴) ظلم و زیادتی اور سود خواری کو جو اسلامی نظام سلطنت کے اصول اساسی کے خلاف ہیں۔ بالکل ممنوع قرار دیا گیا۔

(۵) بیگار اور جاہلیت کی خونریزی، ناجائز محصولات سب کو منسوخ قرار دیا گیا۔

(۶) ہر ملت کے علاقہ کی داخلی خود مختاری مان لی گئی۔ اور ان کے علاقہ سے فوج کے عبور کو منع کر دیا گیا۔

ملّت مسلم ایک امریکن کی نگاہ میں

حضرت عمر فاروق خلیفۂ اسلام کے فرمان پر، جو آپ نے بیت المقدس کے بطریق اعظم سوفرونیس کو ملّت عیسوی کے حقوق کے متعلق عطا فرمایا تھا، تبصرہ کرتے ہوئے رسالہ کیتھولک ورلڈ نیویارک میں، ایک امریکن پیرے کرابائٹس لکھتا ہے

"اس فرمان کا مغز میرے خیال میں حضرت عمرؓ کے وہ الفاظ ہیں جن میں انہوں نے عیسائیوں کو ایک جداگانہ قومیت اور اُن کے بطریق کو اُن کا حاکم تسلیم کیا ہے۔ یہ تسلیم خدا کی چیزوں کو خدا کے سپرد کرنے اور قیصر کی چیزوں کو قیصر کے سپرد کرنے کی حد سے بھی آگے بڑھ گیا ہے، کیونکہ یہ فرمان، بطریق کو نہ صرف عیسائی گلّے کا روحانی گلہ بان مانتا ہے۔ بلکہ اُس کو اُس کا دنیاوی نگہبان بھی تسلیم کرتا ہے۔ اس فرمان نے سوفرونیس، بطریق بیت المقدس کو اُن اختیارات سے بھی زیادہ حقوق و اختیارات عطا کیا جتنا کہ اُن کو خود عیسائی فرمانرواؤں کے ماتحت حاصل تھا"

جب ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کیا۔ تو انہوں نے عیسائیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے بطریق اعظم کا انتخاب کریں اور رجی ناویس، اس منصب پر منتخب کیا گیا تو سلطان محمد فاتح نے محل شاہی میں اُن کو مع عیسائی پوادریوں کے شاندار ضیافت پر مدعو کیا، اور ایک تلوار عطا کرتے ہوئے بیان کیا کہ بطریق کو ملت عیسوی کا سردار تسلیم کیا گیا۔ مذکورہ عیسائی اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"اور ٹھیک جس طرح سوفرونیس، بطریق بیت المقدس نے یہ محسوس کیا تھا کہ وہ حضرت عمرؓ کے ماتحت، عیسائی حکمرانوں کے زمانے سے بھی زیادہ اختیارات کا مالک تھا، اسی طرح جی ناڈیس بطریق قسطنطنیہ نے یہ محسوس کیا کہ اُس کے اختیارات یونانی شہنشاہ کی شکست کے بعد ترکوں کے ماتحت بہت بڑھ گئے تھے۔ کیونکہ وہ اسقف کے ساتھ دنیاوی اختیارات کا بھی مالک ہو گیا تھا حالانکہ اس کے پہلے کے بطارقہ محض روحانی و مذہبی پیشوا تھے۔.........
تمام پرسنل لاز کے معاملات کے متعلق چرچ کو مکمل اختیارات حاصل ہیں رشادی، طلاق، ولایت، نسب، اور مذہبی امور کے معاملات کا فیصلہ عیسائی بطریق، اور یہودی ربّی بطور دنیاوی جج کیا کرتے ہیں۔

"اس وقت مصر میں اس طرح کی چودہ "منظم ملتیں" ہیں۔ جن کے علیحدہ پیشوا سلطنت کی طرف سے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اور جو اپنی اپنی ملتوں کے دینی، مذہبی، اور کلچرل حقوق، اور دنیاوی مفاد کے نگراں ہیں۔"

جناب عبید اللہ سندھی کی نئی تحریک اور علماءِ حق کا فرض

حضرات! قومیت متحدہ کا مکروہ ترین پہلو وہ ہے جس کا ذکر کچھ عرصہ سے اخبارات میں آ رہا ہے۔ اور جس کے بانی جناب عبید اللہ صاحب سندھی ہیں۔ اگر یہ جدید نظریہ قومیت عبید اللہ صاحب سندھی کی زندگی کا آخری کام ہے۔ تو کیسی حسرت سے یہ کہنا پڑیگا کہ یہ کتنا بڑا انجام ہے۔ یہ شخص بائیس برس پہلے ہندوستان کی حدود کو ایک مسلم مجاہد اور مہاجر فی سبیل اللہ کی حیثیت سے ترک کرتا ہے۔ مگر اس بائیس

برس کے بعد جب وارد ہند ہوتا ہے تو اس ہا یہ رد اللہ کی ضمانت وکفالت میں نہیں ہوتا بلکہ گاندھی کے (عدم تشدد) اہنسا دھرم کے عقیدے کی ضمانت میں یہ شخص حدود ہند میں پہونچتا ہے۔ اور یہاں پہنچنے کے بعد جو تجویز ملت کے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ ویدانت اور وحدت الوجود کے عقیدہ کے ماتحت ایک نئی ہندو مسلم قومیت متحدہ بنانا چاہتا ہے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ؕ

ادھر علماء ملت کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ اس وقت ایک بھی تجویز انکی طرف سے اس شخص کی تردید میں نہیں نکلی ہے۔ یہ فتویٰ شائع ہوا ہے۔ خوب غور کیا جائے کہ کوئی انسان مسلمان کہلاتے ہوئے جناب عبید اللہ سندھی صاحب کی اس حرکت کو الحاد سے کم اور کسی چیز سے تعبیر کر سکتا ہے۔ جناب کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس نئے الحاد کا مرکز کہاں بنا ہے ؟

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔ اس کا مرکز اور ہیڈ آفس قرار پایا ہے۔ یہ جامعہ ملت اسلامیہ کی ان معین و مشخص ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ جو ضرورتیں ماضی کی کسی اور درسگاہ سے پوری نہ ہو سکتی تھیں۔ اس درس گاہ پر پہلا حملہ گاندھی ازم کا ہوا۔ اس حملے کو ملت ابھی پوری طرح پلٹنے میں کامیاب نہ ہوئی تھی کہ ایک اور فتنگی گاندھی نے بھی وہیں اپنا آشیانہ بنایا۔ کیا ہم قوم کے ایک مخلص و ذہین فرد جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ جامعہ سے یہ امید نہ رکھیں کہ وہ ملت کے سامنے ایک مفید ملت شخصیت کیطرح سپر انداز ہو کر اپنی اخلاقی بہادری و ملی افادیت کا زیادہ سے زیادہ ثبوت دیں گے ہمیں بڑے سے بڑے کانگرسی مولوی کے متعلق یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ کس ذاتی غرض کے ماتحت ملت کا ساتھ چھوڑ رہا ہے مگر ہمیں شیخ الجامعہ کے متعلق ایسا شبہ مطلق نہیں کہ وہ کسی ذاتی شخصی مفاد کے لئے

ملت کا ساتھ چھوڑیں گے۔ پھر جب ان کی زندگی کی غرض ہی ملت کے لیے مفید ہوتا ہے۔ تو ملت کے بہاؤ کے رُخ کو معلوم کرنے سے وہ کیوں اغماض برت رہے ہیں ہمیں تمام ہندوستان کی ملتِ اسلامیہ سے گذارش کرتا ہے کہ وہ عبیداللہ سندھی صاحب کے اس نئے سیاسی مذہب کے خلاف شدید احتجاج کریں۔ اور کم از کم کسی مسلم طالب علم کو ان کے دائرۂ اثر میں نہ آنے دیں۔

برادرانِ ملت و نونہالانِ اُمّت!

آپ جس ملت کے وارث و امین ہیں اس نے دنیا کے تاریک ترین دور میں نوع انسانی کے سامنے بین الاقوامی عدالت کی ایسی روشن سیاست کا نظام پیش کیا تھا۔ جو آج موجودہ روشنی کے زمانے میں بھی عالم انسانیت کے لئے ایک مینار ہدایت ہے۔ میرا یقین ہے کہ آج مسئلہ ہند کا حل پاکستان اسکیم اور ملت سسٹم کی ترکیب میں پوشیدہ ہے۔ یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ اس عظیم الشان وراثت کے جائز وارث بننے کا اپنے آپ کو مستحق بنائیں۔ اور حیران و پریشان دنیا کو نجات کی راہ دکھائیں۔ اور آپ اپنے آپ میں آجائیں۔

آپ آج جس لادینی تمدن میں سانس لے رہے ہیں وہ انسانیت کے انکار پر مبنی ہے اس کو مٹا دیجئے۔ آپ جس سیاست کے ماتحت زندگی گذار رہے ہیں، وہ غیر اللہ کی حاکمیت پر مبنی ہے۔ آپ اس کو درہم و برہم کر دیجئے۔ آپ جس دنیا میں چل پھر رہے ہیں۔ کفر و الحاد، مادیت اور دہریت کے عناصر سے بنی ہے۔ آپ اس کو فنا کر دیجئے اور ایک نئی دنیا تعمیر کیجئے۔ جو معمار اول ابراہیمؑ کی "تاسیس" اور خاتم الانبیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی "تکمیل" پر مبنی ہو۔ آج دنیا تباہی و اختلال کے جہنم میں گر چکی ہے، اس کو آپ اور صرف آپ بچا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ ملت اسلام کی ابراہیمی "تاسیس" اور محمدی "تکمیل" پر قائم ہو جائے۔ اور ساری دنیا سے منہ موڑ کر اپنی اسلامی "خودی" میں

ڈوب جائے۔ دنیا رنگ و نسل، قومیت وطنیت، کے بتوں سے بھر گئی ہے۔ آج پھر اس آذر کے گھر کو، ابراہیمؑ کی تلاش ہے۔

یہ دور اپنے ابراہیمؑ کی تلاش میں ہے ٭ صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں ٭ مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

جوانانِ اسلام!

آپ دنیا کی اُمیدگاہ اور انسانیت کی آرزو ہیں، آپ کا فرض ہے کہ سیاستِ اسلام کو کائنات پر قائم کرنے اور ایک نئی دنیا تعمیر کرنے کے مقصد بلند کیلئے اپنے آپ کو کامل ایمان وعزم کے ساتھ خدا کی راہ میں رہن کر دیجئے اور اسی کیلئے زندہ رہئے۔ اور اسی کیلئے جان دیجئے کہ اگر زندہ رہنے کی کوئی غایت ہے تو یہ ہے اور مرنے کی کوئی غرض ہے تو یہی ہے۔

اے ز رازِ زندگی بیگانہ خیز ٭ از شرابِ مقصدے مستانہ خیز
مقصدے مثلِ سحر تابندۂ ٭ ما سوا را آتشِ سوزندۂ
مقصدے از آسماں بالاترے ٭ دلربائے، دلستانے، دلبرے
باطلِ دیرینہ را غارتگرے ٭ فتنہ در جیبے سراپا محشرے
ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم
از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

از گلِ خود آدمے تعمیر کن ٭ آدمے را عالمے تعمیر کن
خیز و خلاقِ جہانِ تازہ شو ٭ شعلہ در بر کن خلیلؑ آوازہ شو
با جہانِ نامساعد ساختن ٭ ہست در میداں سپر انداختن
مرد خود دارے کہ باشد پختہ کار ٭ با مزاجِ او بسازد روزگار
گر نہ سازد با مزاجِ او جہاں ٭ می شود جنگ آزما با آسماں

برکند بنیادِ موجودات را　　　　می دہد ترکیبِ نو ذرات را
گردش ایام را برہم زند
چرخِ نیلی فام را برہم زند

کلکتہ۔ مورخہ ۱۵/ اگست۔ ۱۹۴۰ء